آزمائش کا وقت بہت ہی کڑا ہوتا ہے
مگر صبر کا پھل ہمیشہ میٹھا ہوتا ہے۔
مگر صبر بھی شجاعت کا۔
اگر اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا
ہے تو انعام بھی سب ہی خوبصورت
دیتا ہے۔ ہر تکلیف دینے والی
ہر بات بھول جاتی ہے۔
اپنا آپ
ہلکا پھلکا
سا محسوس
کرنے لگتا ہے۔

وقت گزر نہ جائے

انتہائی ذرہ دوستم
R.

میرے ساتھ تو ہمیشہ ہی حالات نے ستم ڈھائے۔ تقدیر نے مذاق روا رکھا اور مجھے عجیب و غریب ہستی بنا دیا۔ انوکھی نرالی۔ اب تو مجھے کچھ بھی انوکھا نرالا نہیں لگتا۔ کتنا کچھ دیکھ اور جھیل چکی ہوں۔ شاید اسی لیے انوکھی ہوں۔ دوسرے بچوں سے مقابلہ کرتی ہوں تو اور بھی حیران ہوتی ہوں۔

پہلا انوکھا واقعہ تو میری پیدائش کا ہے۔ جب میرے والدین مایوس ہو گئے۔ تب میں آدھمکی اور وہ بھی اس طرح کہ ماں بے چاری تو اس واقعے کو حادثہ سمجھ کر موت کو گلے لگا کر دوسرے جہاں سدھاریں۔ آپریشن تھیٹر کے ٹھنڈے ٹھار ٹیبل پر ہی ختم۔

دادی میں جب تک دم رہا۔ مجھے سنبھالا۔ پھر خاص میرے لیے ایک عدد ماں کا بندوبست کیا گیا۔ دادی کی نگرانی میں میں مہیا کردہ ماں کی گود میں پرورش پانے لگی۔ ماں نے خوب خوب ممتا نچھاور کی دادی کے بعد ان میں اس ممتا کے نمایاں روپ دکھائی دیے۔ مارے محبت کے اسکول سے اٹھا لیا گیا۔ کیونکہ میری ماں بہت اعلیٰ تعلیم یافتہ تھیں۔ ایف اے انہوں نے مجھے خود پڑھانے کا بیڑا اٹھایا۔ پھر میں ابا کی موجودگی میں ہی پڑھائی جاتی۔ ابا کے گھر میں ٹکنے کے اوقات بھی۔ بس کبھی شام، کبھی رات۔

بہرحال ابا کی موجودگی میرے لیے عیش کا سبب ہوتی۔ ماں کی ممتا پر جوش۔ ابا کی عنایتوں کا ہجوم۔ بس کچھ دیر۔ پھر یا تو ابا کہیں چلے جاتے۔ یا رات ہو جاتی۔ پل ہی گئی کسی طور۔ ذرا بڑی ہوئی تو اسکول جانے والے بچوں کو حسرت سے دیکھا کرتی۔ میرا اسکول جانے کا ذکر ماں کو پسند نہ تھا۔

یہ اس کے بعد مجھے احساس ہوا- جب میں نے ابا سے منت کی اور ابا نے اماں کو ہدایات دیں- ابا کے جانے کے بعد مجھے ماں کی بے انداز چاہت اور محبت کے نمونے ملے-

چونکہ وہ میری ایک لمحے کی جدائی بھی برداشت نہیں کرتی تھیں- اس لیے محبت کے اظہار کے ان کے پاس بہت سے نمونے موجود تھے- کبھی چھری- کبھی جلتا ہوا چمچہ کبھی دو ہنٹر یا سر پکڑ کر دیوار سے ٹکرانا- زخم لگاتے ہوئے یہ دھیان رکھنا کہ نظر نہ آئے- کمال کی محبت تھی- اسکول جانے کی ضد خاصی مہنگی پڑی- میرے ہاتھ کرسی کے پیر تلے دبا کر وہ کرسی پر چڑھ کر بیٹھ گئیں- پھر یہ حکم کہ آواز نہ نکلے- عرصہ ہوا- اب یاد نہیں- کتنا تڑپی- پھڑکی اور چیخیں روکنے میں پورا چہرہ نیلا ہو ہو گیا- معافی توبہ اور کیا معلوم کس مہربان کی دستک نے اس عذاب سے چھٹکارا دلایا-

جب بھی کوئی آتا- مجھے مسکرانے کی تاکید تھی- لوگ کہتے- ''بچی بہت خوش رہتی ہے- کیوں نہ ہو- ایسی ماں جس کی ہو- کیا دکھ-'' ماں کی محبتوں کے چرچے دور دور پھیلے- ان کے پرانے کپڑے چھوٹے کر کے مجھے پہنائے جاتے- خواہ کتنی گرمی- یا سردی ہوتی- میں ریشمی کپڑوں میں ملبوس کم جلتی رہتی یا ٹھنڈی ہوتی- لوگوں پر اس کا بھی بہت اثر ہوتا کہ میں ہمیشہ ریشمی کپڑے ہی پہنتی ہوں- اس کا اعزاز ماں کو ملتا- مجھے اتنا فائدہ ضرور ہوا کہ سختی جھیلنے کی بے پناہ قوت حاصل کر لی- رونے چیخنے کی اجازت نہ تھی کیونکہ ماں کو میری فریاد ڈسٹرب کر دیتی- تو اس لیے ان کی خوشی کی خاطر- تکلیف سہہ سہہ کر پتھر بن گئی-

اکیلے میں البتہ آنسو نکل آتے- مگر میں انہیں بھی روک لیتی- دراصل ماں کو مجھ سے بہت نفرت تھی اور انہوں نے کبھی یہ بات مجھ سے نہیں چھپائی- ہاں زمانے میں ان کی محبتوں کے ڈنکے پٹ رہے تھے کہ نمائش کا اظہار محبت ان کو خوب آتا-

سب اول بات یہ کہ میں ہو بہو اپنی ماں کا نمونہ تھی- میری مرحومہ ماں بے حد حسین تھیں- ابا بار بار ذکر کرتے- جب وہ مجھے گلے لگا کر پیار کرتے- موجودہ ماں کے پتنگے لگتے- بعد میں اس کا خمیازہ مجھے بھگتنا پڑتا- ان کا بس چلتا تو میرا چہرہ چولہے میں جھلس کر تسکین پاتیں- مگر وہ صرف میرا ہاتھ ہتھیلی جلا کر ہی دل ٹھنڈا کر لیتیں- کتنی اعلیٰ محبت تھی ان کی-

میری ایک پھوپھی تھیں- ایک رشتے کی خالہ- جب یہ آتیں ماں کا منہ بن جاتا- مگر وہ ان کے آگے بچھ بچھ جاتیں- خاطر تواضع میں کمی نہ کرتیں- وہ لوگ مجھے بلا کر پیار کرتیں- گلے لگاتیں- ایسے میں کوئی زخم- کوئی چر کہ ٹیس دے اٹھتا تو ہلکی سی سسکی نکل جاتی- پھر ماں نے ان سے میرا پردہ کرا دیا- وہ آتیں مجھے کمرے میں بند کر دیا جاتا-

''کہیں کھیلنے گئی ہے-''

''کسی سہیلی سے ملنے گئی ہے-''

یہ بہانے موجود تھے۔
کبھی پھپھو کہتیں۔ ''سیانی ہو رہی ہے۔ اب ذرا روک ٹوک کرو۔''
''لو۔ میری کب سنتی ہے۔ پھر ابا نے کوئی پابندی نہیں لگائی۔ تو میں کیوں بری بنوں۔''
''کوئی بات ایسی ویسی ہو گئی۔ تو نام تو تمہارا ہو گا۔'' پھپھو ان کی ہمدرد بن جاتیں۔
مجھے ہنسی آ جاتی۔ گھر سے جھانکنے کی تو اجازت نہ تھی۔ دراصل خالہ اور پھپھو میرے حسن کے قصیدے پڑھتیں۔ میری مرحومہ ماں کا ذکر ہوتا۔ اور میں نتیجتاً ظلم کا شکار بنتی۔ بازو داغنا۔ کمر کو نشانہ بنانا۔ ٹانگوں پر بید برسانا۔ کس جہنم میں زندہ تھی، میں بے آواز۔
شاید کوئی نقاش فطرت میری اذیتوں میرے چہرے کے تاثرات کو رقم نہ کر سکے۔ میرا سارا جسم انگارے کی طرح دہکا کرتا۔ بازو دکھتے رہتے، چلتے میں لنگڑاتی تو محبت کی ماری ماں زخموں پر دھمو کے رسید کرتی۔ زہر برساتی زبان سے کیا کیا القاب ایجاد ہوتے۔ میرے خدا۔ پھر یہ دھمکی۔
''باپ سے لگایا۔ تو تیزاب سے جھلس دوں گی میرا کوئی کچھ بگاڑ نہیں سکتا۔''
یہ سچ تھا۔ کوئی ان کا کیا بگاڑ لیتا۔ ابا تو ان کے احسانوں تلے دبے ہوئے تھے۔ بالکل ریشہ خطمی۔ مجھ سے محبت کا احسان۔ میری اعلیٰ پرورش کا احسان۔ مجھے کبھی جرات نہ ہوئی کہ ابا کو احسان کے بوجھ سے نکالوں۔ میری ہمت حوصلہ اس قدر پست ہو چکا تھا کہ ظلم سہنے میں ہی عافیت نظر آتی۔

☆☆

ابا کے ایک دوست ڈنمارک میں کاروبار کر رہے تھے۔ انہوں نے ابا کو بلایا تھا۔ بہت اطمینان دلایا۔ ابا محنتی آدمی تھے مگر یہاں ان کی محنت کا صلہ مل نہیں رہا تھا۔ ماں تو فوراً ہی رضامند۔ ابا سوچ میں پڑ گئے۔ ہم تین تھے اور وہاں سے دو ٹکٹ کی آفر تھی۔ ابا کے پاس بھی اتنا نہ تھا اور دوست کا اصرار۔ ماں کے ذہن کی داد دینی چاہیے، بولیں۔
''ہم روشی کی شادی کر دیتے ہیں۔ ویسے بھی جوان لڑکی کو غیر ممالک میں کہاں لیے پھریں گے۔''
ابا ہکا بکا ہو گئے۔ ''پاگل ہوئی ہو۔ اتنی سی بچی کی شادی۔''
ابا کو میری جدائی بھلا کب گوارا تھی۔ مگر وہ مسلسل دلیلوں سے قائل کرنے کی کوشش کرتی رہیں۔ آخر انہوں نے مجھے آزمایا۔ کیا اور کیسے۔ یہ ایک تکلیف دہ اور لمبی داستان ہے۔ نتیجہ ماں کی فتح، میں خود نہ چاہتے ہوئے ابا سے کہہ رہی تھی۔
''ابا! آپ میری فکر نہ کریں۔ میں کہیں بھی رہ لوں گی۔''
میری آنکھوں کے خشک آنسو۔ گلے کی خاموش چیخیں انہوں نے سنی نہیں۔ آنسو بھلا کہاں نظر آتے کہ میری محبت کرنے والی ماں نے خوفناک نتیجے کی بھیانک تنبیہہ سے انہیں جلا کر سرمہ کر دیا تھا۔ یہاں میرا کون تھا جس کے پاس رہتی۔ ایک ماموں البتہ تھے مگر ان سے عرصہ ہوا ماں نے

ہی ادھر ادھر کی سنا کر ابا کو بدظن کر دیا تھا۔ پھر مجھے ان سے ملنا ہی نصیب نہ ہوا۔ کاش ابا کو ان کا خیال آ جاتا۔ تو میں ماموں کے پاس بخوشی رہ لیتی۔

ایک دن صبح ابا کے گھر سے نکلتے ہی ماں نے مجھے ساتھ لیا اور اسٹیشن کی راہ لی۔ گجرات جانے والی بس میں ہم بیٹھ گئے۔ گجرات میں ماں کی خالہ زاد بہن رہتی تھیں۔ مجھے اس لیے ساتھ لیا ہوگا کہ کہیں ابا کو ورغلا نہ لوں۔ مگر نہیں۔ معاملہ دوسرا تھا۔ وہ میری نقاب کشائی کے لیے ساتھ لائی تھیں۔ خالہ صغریٰ نے ماں کی دردناک داستان سنی کہ میں کس طرح ان کی خوشیوں کے درمیان رکاوٹ بن رہی ہوں۔ یوں بھی وہ مجھے دیکھتے ہی ریشہ خطمی ہوگئی تھیں۔

انہوں نے ماں کی تجویز بخوشی منظور کر لی اور ہم اسی وقت وہاں سے روانہ ہو کر لاہور پہنچے۔ کیونکہ اماں نے ابا سے شاپنگ کے لیے جانے کا کہہ کر مجھے ساتھ لے جانے کی اجازت لی تھی۔

گھر پہنچتے پہنچتے شام ہوگئی۔ ابا گھر میں پریشان ملے۔ ماں نے ہائے ہائے کہہ کر داستان سنائی کہ دوپہر کو گھر سے نکلے۔ کیا پتا شادمان میں سیاسی جلسہ ہوگا۔ وہاں تو پولیس لاٹھی چارج کر رہی تھی آنسو گیس کے گولے برس رہے تھے۔ بمشکل ایک دکان میں چھپے رہے۔ توبہ توبہ۔"

"تو فون ہی کر دیتیں۔" ابا جھلائے ہوئے تھے۔

دکان چھوٹی تھی۔ سینکڑوں لوگ جان بچانے کے لیے گھسے ہوئے تھے میں کہاں جوان لڑکی کو گھسیٹتی۔ یقین نہ آئے تو کل اخبار میں دیکھ لینا۔ ہائے ہائے میں تو مارے ڈر کے ایک چیز نہ خرید سکی۔"

دراصل شادمان کے جلوس کی خبر تو اسٹیشن پر ہی کسی نے دی تھی۔ یہ نہ ہوتا تو بھی کوئی بہانہ گھڑ لیتیں۔ کیونکہ میری ماں کے ذہن میں بدی کی قوتوں کا خزانہ جمع رہتا تھا۔

☆☆

اگلے دن ہی خالہ صغریٰ آ گئیں۔ انہوں نے میرا رشتہ طلب کیا۔ جو ابا نے کچھ ہچر مچر کے بعد قبول کر لیا۔ ابا بہت خوش تھے کہ اس پریشانی کے وقت ان کی مشکل حل ہوگئی۔

لڑکا پڑھا لکھا۔ اچھی پوسٹ پر تھا۔ خالہ صغریٰ نے ہر طرح کا اطمینان دلایا۔ ابا روانگی کی تیاری کرنے لگے۔ ماں میری رخصتی کی۔

میں پتھر کی مورت بنی بیٹھی تھی۔ زبان حلق میں اینٹھی ہوئی رہتی۔ آنکھوں تلے اندھیرا رہتا۔ ابا سے جدائی نامعلوم مدت تک ایک وہی تھے پورے جہان میں جن کو میں بلاشرکت غیرے اپنا کہہ سکتی تھی۔

یوں رشتے دار تو اور بھی تھے مگر ماموں کے سوا کوئی سگا نہ تھا۔ خالہ پھپھو رشتے کی تھیں۔ میرے چہرے کی تحریر۔ آنکھوں کی بے بسی کسی کو نظر نہ آئی۔ ابا کو بھی نہیں۔ وہ تو میری اداسی کو جدائی کا سبب سمجھ کر مجھے سمجھاتے نصیحتیں کرتے۔

شادی گڈے گڑیا کی نہ تھی- مگر ہوئی ایسے ہی- گڈا آیا- گڑیا کو لے کر چلا گیا- ابا کا بوجھ ہلکا ہو گیا- ماں کی پریشانی دور ہوئی-

سفر اتنا لمبا نہ تھا- مگر مجھے لگا- جیسے میں مسلسل سفر میں ہوں- نہ منزل' نہ سرائے- تھکن' تھکن اور اداسی- جو رگ و پے میں درد بن کر پھیلتی جا رہی تھی- میرے دائیں بائیں ساس نندتھیں- نندوئی کار چلا رہے تھے- ساتھ میں دولہا بیٹھا تھا- سب خوش گپیوں میں مصروف- صرف ان لبوں پر تالے لگے تھے- جو اس سفر کا باعث تھا- میں اور وہ' یوں تو وہ خاصا قبول صورت تھا مگر ناراضگی سے چہرہ پھولا ہوا تھا- پتا نہیں مجھے ہی لگا یا وہ تھا ہی پھولا ہوا- ہاں گھر جا کر چند مکالمے سماعت سے ٹکرائے-

''شادی ایسی ہوتی ہے؟ گڑیا کی شادی میں بھی کچھ اہتمام ہوتا ہے- یہاں تو لگتا ہے' کسی ناپسندیدہ شے سے چھٹکارے کی جلدی تھی- دھکا دینا تھا- سو دے دیا-''

یہ دولہا میاں کے ارشادات تھے- جن سے میں متفق تھی-

''نہ بیٹا! نہ ایسے مت کہو- ان کی مجبوری تھی-''

''ان کی مجبوری تھی- ہماری تو نہ تھی- اگر میں قاضی کے سامنے انکار کر دیتا- تب آپ کیا کرتیں؟''

''کیا کرتیں؟'' خالہ صغریٰ کھوئے کھوئے لہجے میں بڑبڑائیں- ''وہیں جان دے دیتی-''

''یہ صرف ڈائیلاگ ہیں- اماں! اگر بیٹے پر اتنا ہی اعتماد تھا- تو پھر اس کی قیمت صحیح لگاتیں- بے مول بخش دیا آپ نے مجھے-''

''میں بھی ایک انمول شے لائی ہوں بدلے میں- ہر چیز کو نفع نقصان سے مت دیکھو-''

''انمول شے- ہر لڑکی انمول ہوتی ہے ماں باپ کے لیے- کوئی اس طرح بیٹی کو کنویں میں نہیں دھکیلتا- کم از کم وہ میرے چال چلن کے بارے میں ہی تحقیق کراتے-'' غصیلا لہجہ تھا- مگر درست-

''بیٹا! بات ساری اعتماد کی ہے- انہیں میری زبان پر اعتبار آ گیا- انہوں نے بازی لگائی تو میں نے بھی داؤ کھیلا ہے- اب یہ ہمارے ظرف کی آزمائش ہے اور میں تمہارے ظرف کی وسعت دیکھنا چاہوں گی-''

یہ میری ساس اور اس کے بیٹے کے درمیان گفتگو تھی- جو من و عن مجھ تک پہنچی-

میں اپنی کم قیمت زندگی پر بے حیثیتی کے الزام سے کیونکر بچ سکتی تھی- سچ تھا اور میں اتنی ہٹ دھرم بھی نہیں- سب تھکے ہوئے تھے- مجھے آرام کا مشورہ دے کر جس کمرے میں لایا گیا تھا- اس سے ملے ہوئے دوسرے کمرے میں ماں بیٹا تنہائی پا کر جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہے تھے- دروازہ ان کے کمرے کا بھی بند ہو گا- مگر ان دونوں کمروں کے درمیان کھلا روشن دان ہر آواز مجھ تک پہنچا رہا تھا- میں اب تھکن بھلا کر مستقبل کے خوف میں مبتلا ہو گئی-

آخر تھکن غالب آئی اور نیند کی مہربان لوریاں مجھے بے خبر کر گئیں' پھر کسی کے بولنے کی آوازوں نے مجھے بیدار کیا تھا۔

''ارے۔ جمیلہ آپا! اس بے چاری کا میک اپ تو بہت ہی خراب ہے۔ کس سے کروایا تھا۔''

''ارے کس سے کروانا تھا۔ کوئی محلے کی لڑکی پکڑ لائی تھیں خالہ امینہ۔ اس نے الٹی سیدھی لیپا پوتی کر دی۔'' جمیلہ آپا کچھ بیزار تھیں۔ ''اور وہاں تو سارے کام اوندھے سیدھے ہوئے تھے۔''

اب انہوں نے آواز بہت دھیمی کر لی۔ مگر میری سماعت کچھ زیادہ ہی حساس تھی۔ ''اری گوشی! ایمان سے لگ رہا تھا کہ خالہ امینہ کو بس لڑکی کی رخصتی کی جلدی ہے۔ بھئی ان کی تو وہی مثال تھی کہ بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا۔ اتنا اچھا رشتہ مفت میں مل گیا۔ کسی طرح لڑکی بھگتا کر اب چل دیں گی میاں کے ساتھ عیش کرنے۔''

''آپا! دلہن ہے تو بہت پیاری۔ ماشاءاللہ۔ ساری عمر رضوان بھائی دعادیں گے آپ کو۔''

''مجھے کیوں۔ خالہ امینہ کو کہو۔'' قہقہہ کے ساتھ کہا گیا۔ ''اچھا میں بے چاری کے لیے کھانا لے آؤں۔ جانے کب سے بھوکی ہے۔''

''خوشی کے مارے بھوک اور نیند سب غائب ہو جاتی ہے۔ سنا ہے۔ دل میں لڈو پھوٹ رہے ہوتے ہیں۔''

''ارے نہیں۔ اس بے چاری کے ابا کل جا رہے ہیں۔ یہ تو اداس ہے۔ ویسے خالہ امینہ کافی پیار کرتی ہیں۔ ان کی تو اولاد نہیں ہے مگر اپنی بچی کی طرح پیار کرتی ہیں۔''

''اچھا آ؟ واہ۔'' تعجب اور تمسخرانہ انداز تھا۔ ''ابھی کہہ رہی تھیں اوندھے سیدھے کام ہوئے اور انہیں بیٹی کی رخصتی کی بڑی جلدی تھی۔''

''او بھئی۔ وہ الگ بات ہے۔''

وہ کھانا لینے چلی گئیں اور میں ابا کی جدائی کی کسک کو شدت سے محسوس کرنے لگی۔ گویا اب ہماری جدائی۔ نامعلوم مدت کے لیے ہے۔ کمزوری نے ہاتھ پیر سن کر دیئے۔ اب جدائی کا دکھ۔ پتا نہیں میں ابا کو دیکھ سکوں گی کہ نہیں۔ مجھ سے کھانا بھی نہیں کھایا گیا۔ غم کی تصویر بنی بیٹھی رہی۔ پھر ایک جوشیلی اور پھرتیلی اور باتونی لڑکی نے میرا میک اپ کر دیا۔

''ہائے اللہ۔ کیا چاند سا مکھڑا ہے۔ میک اپ نے اور بھی نکھار دیا۔ لگتا ہے آج رضوان کی خیر نہیں۔ جمیلہ آپا لخلخہ منگا کر رکھ لیں۔''

پھر کافی خواتین اور بچے گھس آئے۔ رونمائی شروع ہوئی۔ کچھ تبصرے مذاق۔

''لگتا ہے' نیند کی کچی ہے۔ دیکھو کیسے نیند میں جھوم رہی ہے۔''

''بس وہ تھکن۔ سفر جو لمبا تھا۔ پھر بے چاری کے ماں باپ بھی باہر جا رہے ہیں۔ رو رو کر برا

حال کرلیا تھا-"

حالانکہ میں روتی کیونکر- اجازت ہی نہ تھی مجھے کہ کہیں مجھے روتے دیکھ کر ابا جذباتی ہو کر اپنا فیصلہ نہ بدل دیں-

"بھئی- ہماری بھی شادی ہوئی تھی- شادی کی خوشی- ساتھ میں خوف پھر اور بھی تخیلات نیندیں اڑائے ہوئے تھے- اس بے چاری کا بھی یہی حال ہے-" تیز طرار خاتون تھیں-

"رہنے دیں خالہ جی! میری بھی تو شادی ہوئی تھی- نہ نیند اڑی نہ تخیلات نے جگایا- پتا نہیں آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں- یہ تو کچی عمر کی ہے- گڑیوں سے کھیلنے کے دن ہے- ہوگئی شادی-"

جمیلہ آپا پھر میری سائیڈ لے رہی تھیں-

"اور اسے یہ بھی بتایا کہ جس سے بیاہی گئی ہے' وہ پورا جن ہے- غصیلا- ضدی-" پھر ایک ٹھٹھے کے ساتھ کہا گیا- جمیلہ آپا برا مان گئیں-

"خیر- اب ایسی بھی کوئی بات نہیں- مردوں کو غصہ آ ہی جاتا ہے غلط باتوں پر- یہ تو ہم عورتیں ہی برداشت کرتی ہیں- غصے کو ہنس کر ٹال دیتی ہیں-"

جمیلہ آپا خاصی جھلائی ہوئی تھیں اور میرا خون رگوں میں جمنے لگا- ابھی تک تو ماں کی ممتا ہی لرزہ بر اندام کیے رہتی تھی- اب شوہر کے جناتی غصے کا سامنا کیسے کروں گی- مارے خوف کے آنکھیں پھٹ گئیں- دوپٹے کی اوٹ سے خاتون کو دیکھا- خاصی پکی عمر کی تھیں مگر زندہ دل اور ہنس مکھ لگیں-

"ارے جمیلہ! سچ کہا تو نے- دلہن تو کچی عمر کی منہ بند کلی جیسی ہے- اسے تو لگتا ہے زمانے کی تتی ہوا بھی نہیں لگی- یہ امینہ کو کیا سوجھی- بڑی خودغرض عورت ہے- اپنے عیش کی خاطر بچی کو باپ سے جدا کر دیا- آخر تو سوتیلی ہے- اسے کیا درد اس بچی کا-"

"نہیں خالہ! امینہ خالہ تو بہت پیار کرتی ہیں-" آپا جمیلہ کھسیا گئیں- "لڑکی تو آپ کو پتا ہے ککڑی کی بیل کی طرح ہوتی ہے- بڑھنے میں دیر ہی کیا لگتی ہے-"

"سچ کہا' رات بھر میں ہی بچی سے عورت ہو جائے گی- مگر ظلم ہے اس پر- دو سال بعد بھی شادی ہو سکتی تھی- دیکھ کر ترس آ رہا ہے مجھے-" وہ جانے کے لیے اٹھیں-

"بس خالہ! نصیب نصیب کی بات ہے-" جمیلہ آپا نے شکر ادا کیا کہ ان کے جملوں سے جان چھوٹی اور جب سب عورتیں چلی گئیں- کمرے میں سناٹے کا راج ہو گیا- میری کمر اکڑ گئی تھی- لیٹی تو آرام ملا- اب جنات کا خوف- سسرال کے رویوں کی فکر- نہ جانے میرا کیا حشر ہونا ہے- آپا جمیلہ تو ہمدرد تھیں (ابھی تک تو) خالہ صغریٰ پتا نہیں کیسی ہوں گی- غصیلے جن کی تعریف سن لی تھی- انجام صاف نظر آ رہا تھا-

ابھی تک تو کمر کے زخم ہی دکھ رہے تھے- ماں کی ممتا کی نشانیاں جگہ جگہ بکھری ہوئی تھیں-

بازوؤں میں کسک تھی اور مجھے لیٹنے کی بھی عادت نہ تھی۔ صبح سے رات تک ماں کے حکم پر۔ الف کھڑی رہتی کہ کب کوئی کام اور نکل آئے۔ رات گئے نیند سے، تھکن سے بے خال ہو کر پڑتی تو نہ کھرے پلنگ کا ہوش ہوتا نہ جگہ کا۔ اف اور یہاں جو نرم بستر ملا۔ زخموں کو کچھ سکون۔

ابا کو یاد کرتے کرتے نیند کی وادی میں گم ہوگئی۔ ابھی شام ڈھلی تھی۔ اور میں .... پھر آپا جمیلہ چائے لے آئیں۔

"کھانے میں تو دیر ہے۔ چائے پی لو تھکن اتر جائے گی۔"

ان کے ہمدردانہ الفاظ نے آنکھوں میں آنسو بھر دیے۔ وہ مجھے دلاسے دینے لگیں۔ اپنی اماں کی نرمی۔ محبت۔

"تمہیں کوئی دکھ نہیں ہوگا۔ خالہ کی باتوں کی فکر نہ کرو۔ ابھی ہم تمہیں جانے نہیں دیں گے۔ رضوان پنڈی ہوتا ہے۔ ابھی نہیں لے کر جائے گا۔ کوئی ایسی ویسی بات کرے تو مجھے بتانا۔ دماغ درست کر دوں گی اچھا۔"

"ابا چلے جائیں گے آپا۔ پتا نہیں پھر کب۔" میں رو رہی تھی۔ آپا پریشان ہوگئیں۔

"ہاں یہ تو پتا نہیں۔ تین سال سے پہلے تو وہ آ نہیں سکتے۔ خالہ امینہ آ سکتی ہیں۔ وہ تمہیں چاہتی بھی بہت ہیں۔ رو رو کر حالت خراب کر لی تھی۔ کہنے لگیں۔ جمیلہ! میری بچی کو بہت پیار دینا۔ پہلی دفعہ جدا ہو رہی ہوں میری کمی محسوس نہ ہونے دینا اسے۔ میں نے کبھی پھولوں کی چھڑی بھی نہیں چھوائی اسے۔"

میرے آنسو یک لخت منجمد ہو گئے۔ پھولوں کی چھڑی۔ کمر اور بازو لکڑی کی طرح اکڑ گئے۔ ہر طرف ٹیسیں اٹھنے لگیں۔ اسی وقت گوشی بولتی ہوئی آ گئی۔

"آپا! ایسا کرو۔ کوئی دوسرا جوڑا لے آؤ۔ یہ کپڑے تو بہت مسل گئے ہیں۔ میں پھر سے میک اپ کروں گی۔ ایسا کہ رضوان دیکھتے ہی پٹ سے گرے گا عاشق ہو کر یوں۔"

کہتے کہتے وہ میری گود میں آ پڑی اور اپنی بڑی بڑی آنکھوں سے مجھے دیکھنے لگی۔ دیکھتے دیکھتے جیسے جلوہ حسن کی تاب نہ لا کر بھینگی ہوگئی۔ مجھے ہنسی آ گئی۔

"بلے بھئی بلے۔" وہ یکدم اٹھ بیٹھی۔ "بڑی خوش نظر آ رہی ہے دلہن۔ آپا! کیا اس نے دولہا میاں کا دیدار نہیں کیا؟"

جمیلہ آپا ہنسی میں اڑا گئیں۔ "بھئی تم چھوڑو۔ دولہا اسی لباس میں دیکھ لے گا۔ رات کے لیے کوئی ہلکا سا جوڑا لا کر رکھ دوں گی۔"

صاف ظاہر تھا' وہ اپنے بھائی کے جناتی اوصاف کو ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ چلی گئیں۔ تو گوشی نے کہا میں منہ ہاتھ دھو لوں تاکہ میک اپ کی تازگی زیادہ دیر قائم رہے۔ میں ملحقہ باتھ روم میں جا کر منہ ہاتھ دھو آئی۔ اس کا بہت اچھا اثر ہوا۔ سستی غائب ہوگئی اور کچھ سکون محسوس ہوا۔

گوشی میک اپ کا سامان پھیلائے بیٹھی تھی- اس نے سر اٹھا کر مجھے دیکھا پھر بولی-

"ہاں ویسے تمہیں ان نمائشی چیزوں کی ضرورت تو نہیں- یوں بھی سادگی میں اچھی لگ رہی ہو- مگر کیا کریں- دلہن لپی پتی نہ ہو تو مزا نہیں آتا- آؤ بیٹھو-"

میں اس کی ہدایت کے بق آنکھیں بند کر کے بیٹھ گئی- کچھ دیر وہ مجھے اپنے کمال کے جوہر دکھاتی رہی (چہرے پر) پھر بولی-

"اچھا اب ایک بازو تو نکال لو میں گردن کے نیچے تک کریم لگاؤں گی- قمیص ذرا تنگ ہے تو ہاتھ نہیں جاتا- شاباش آستین اتار دو بس-" میں سٹپٹا کر بازو پہلو سے چپکا کر بیٹھ گئی-

"اوہو-" وہ میرا بازو ہٹا کر کہنے لگی- "بھئی- میں تمہیں کوئی ایسا ویسا بندہ نظر آ رہی ہوں- یعنی کہ بدمعاش- چلو شاباش- آستین نکالو- گردن سے ذرا نیچے تک چہرے کے مطابق' افوہ بہت شرمیلی ہو تم تو' چلو میں آنکھ بند کر لیتی ہوں-"

مگر میں ٹس سے مس نہ ہوئی تو وہ زبردستی پر اتر آئی- ایک تو میں خود بلی پتلی تھی- کمزور بھی- وہ یوں بھی خاصی پہلوان نظر آ رہی تھی- پھر اس کے ہاتھوں نے میرے بازو کے زخم بھی چھیل دیے- وہ آستین اتارنے میں کامیاب ہو گئی اور پھر اس کی حیرت سے پھٹی آنکھوں کا تاثر-

"یہ یہ کیا ہے؟" زخم تو بازو کے علاوہ گردن کے نیچے بھی تھے- جنہیں میں چھپانا چاہ رہی تھی اور جو ممکن نہ ہوا- وہ اب باقاعدہ مجھے گھور رہی تھی اور اس کی تیز نظروں نے کمر پیٹھ اور پیٹ تک رسائی حاصل کر لی تھی- اب وہ خوفزدہ بھی تھی- اس کے سوالات سے تنگ آ کر میں آنسو بہانے لگی- مگر اسے مطمئن کیسے کرتی- آخر بتانا پڑا-

"یہ میری ماں کی محبت کی نشانیاں ہیں-" میں نے تلخ ہو کر کہا-

"کیا؟ خالہ امینہ؟ وہ جو بہت محبت کے چرچے-" وہ بھونچکا سی تھی- میں نے اقرار میں سر ہلا دیا- وہ سمجھ بھی گئی پھر بھی سوال پر سوال اور ترس پہ ترس کھاتی رہی- میں شرم و ندامت کے بوجھ سے جھکی جا رہی تھی- اپنی ذلت کا تماشا دیکھا نہیں گیا- گوشی سر تھامے کچھ دیر کے لیے چپ ہو گئی پھر بڑبڑائی-

"کون یقین کرے گا؟ اور وہ رضوان کبھی نہیں وہ تو پورا جن ہے-"

"میں چھپا لوں گی-" میں نے کہا-

"کب تک چھپاؤ گی؟" پھر اس کے ہاتھوں کی انگلیوں میں شاید طاقت نہ رہی- وہ جلدی سے کام مکمل کر کے مجھے قمیص پہنانے لگی- پھر جیسے تھک کر وہیں گر سی گئی-

تب ہی ساتھ کے کمرے سے آوازیں آنے لگیں- جمیلہ آپا اور صغریٰ خالہ بولتی ہوئی داخل ہوئیں- پھر دروازہ بند کرنے کی آواز آئی-

''توبہ ہے جمیلہ! تم بھی کمال کرتی ہو- ذرا دم لو-''

''اماں! ایسا کون سا مشکل سوال کر دیا میں نے- ایک سادہ جوڑا مانگ رہی ہو [illegible] کے لیے- آپ نے سب کے سامنے جھڑک دیا- واہ-'' آپا جمیلہ کچھ رنجیدہ سی تھیں-

''بیٹا! کہہ تو رہی تھی کہ اچھا- دیتی ہوں- دیتی ہوں- تم نے تو بیٹھنا دوبھر کر دیا- سنو تم کو معلوم تو ہے کہ بری میں کوئی سادہ جوڑا ہے ہی نہیں- رات کے لیے ہم نے بنایا بھی نہیں-''

''تو اماں! جہیز کے جوڑوں میں سے نکال دیں- لائیں چابی- کہاں ہے سوٹ کیس-''

''وہ تو لاہور میں رہ گیا-'' خالہ صغریٰ ٹھنڈے لہجے میں بولیں-

''ہیں؟'' جمیلہ آپا شاید حیرت سے اچھل پڑیں- ''کمال کرتی ہیں اماں- میں نے خود دیکھا تھا- خالہ امینہ نے آپ کے ہاتھ میں دیا تھا سوٹ کیس- آپ وہیں چھوڑ آئیں؟''

''جمیلہ! ذرا تحمل سے کام لو- بیٹی امینہ نے سوٹ کیس مجھے دیا ضرور تھا- پھر تم لوگ شاید رخصتی کے لیے باہر چلے گئے- سوٹ کیس میں نے اٹھایا- تو وہ کھل گیا- پرانا تھا- اس کا لاک بھی نہیں تھا- سارے کپڑے ادھر ادھر بکھر گئے- کسی نے مجھے آواز دی میں چلی گئی-''

''کمال ہے- ادھر ادھر بکھر گئے- کیا مطلب- انہیں سمیٹا جا سکتا تھا- آپ مجھے بلا لیتیں-''

''افوہ- بال کی کھال نکالنے کی عادت-'' خالہ صغریٰ جھلا گئیں- ''جمیلہ! وہ کپڑے اس قابل نہ تھے- سارے پرانے- بدرنگ- میں نے وہیں پھینکے- امینہ صفائیاں دینے لگی کہ اتنا ٹائم نہ ملا، یہ، وہ میں نے کہا چھوڑو امینہ- ہم نے بیٹی لی ہے- وہی سب کچھ ہے یہ کپڑے تم میری بہو کے صدقے میں کسی فقیر کو دے دینا-''

''اماں! آپ کیا کہہ رہی ہیں؟'' جمیلہ آپا تو بیہوش ہونے لگی تھیں- پھر جھلا گئیں- ''خالہ نے اپنی بے پایاں محبت کا یہ ثبوت دیا ہے؟ زیور کے نام پر ایک چھلا تک نہیں- کپڑے دیے تو پرانے- خود تو جھلمل کرتا نیا جوڑا پہنے مٹکتی پھر رہی تھیں- ہاتھ میں بھر کلائی سونے کی چوڑیاں- گلے میں جڑاؤ گلوبند، کانوں میں جھمکے- واہ بیٹی کو ایک چوڑی دے دیتیں- اتنی کم ظرف نکلیں- مجھے یقین ہے کہ خالو نے رقم دی ہوگی- وہ خود ہضم کر گئیں-''

''بس جمیلہ! اب آگے ایک لفظ نہ منہ سے نکلے ہم نے کسی لالچ میں شادی نہیں کی- اس کے نصیب میں ہوگا تو بہت کچھ بنا لے گی- امینہ کو موقع نہیں ملا اتنی جلدی میں-''

''رہنے دیں اماں-'' آپا جمیلہ بگڑ گئیں- ''ہم نے بھی تو اس کم عرصے میں دس کام دار جوڑے بنوائے- سیٹ بنوایا- وہ چار جوڑے ہی بنا لیتیں-''

''اچھا بس- چپ رہو- کوئی پوچھے تو کہہ دینا سامان لاہور ہی رہ گیا-''

''خیر- اتنی عقل تو ہے- کچھ تو کہوں گی ہی- مگر آپ کب تک پردہ ڈالیں گی-''

جمیلہ آپا بڑبڑاتی ہوئی دروازہ کھول کر باہر چلی گئیں- ہر آواز- یوں اس کمرے تک پہنچ رہی تھی جیسے میرے سامنے ہی دو آدمی بیٹھے محو گفتگو ہوں اور میں شرم سے عرق عرق-

گوشی بھی بہری نہ تھی- وہ حیرت سے سن رہی تھی- لیٹی تھی- اٹھ کر بیٹھ گئی- نہ جانے اس کے تاثرات کیا ہوں گے میری ہمت نہ تھی کہ نظر اٹھا کر اسے دیکھوں کہ وہ مجھ بدنصیب کے لیے کیا سوچ رہی ہے- ترس کھا رہی ہے- یا میری تذلیل پر رنجیدہ ہے یا پھر ماں کی بے مثال محبت کے انمول مظاہروں نے اسے دم بخود کر دیا تھا-

''سنو- میں تمہاری ہمدرد ہوں- پھر بھی سوچ رہی ہوں کہ اتنی کم عمری میں تم نے کوئی ایسا کارنامہ انجام دیا ہو کہ اپنی خالہ سزا کے طور پر تم سے چھٹکارا پانے کے لیے مجبور ہوئی ہوں-''

کچھ دیر کے بعد گوشی نے یہ جملہ کہا تھا- میں حیرت سے اسے دیکھنے لگی-

''دیکھو- میں شک نہیں کر رہی- مگر لوگ کر سکتے ہیں-'' وہ سچ کہہ رہی تھی-

گویا اب میرا اشتہار بنے گا- لوگ سوچیں گے- میرے ماں باپ نے اتنی کم سنی کے باوجود میرا بوجھ اتار پھینکا- تو اس میں میرا قصور بھی ہوگا یہ نئے خدشے تھے اور کافی دہشت ناک- گوشی کے جانے کے بعد میں بلک بلک کر رو دی- اس کی میک اپ کی محنت کی پروا کیے بغیر-

جمیلہ آپا کھانا لائیں- تو مجھ سے کھایا نہیں گیا- انہوں نے دودھ لا کر دیا- پھر میں سو گئی- بے خبر- صبح میرے لیے ایک نئی صبح تھی- نہ آج کل رات سے اب تک گالیاں سنیں- نہ ہی جسم پر زخم کھائے- کوئی نیا چرکہ بھی نہیں- پھر میں خوش نہیں- یہ ناشکری ہی تو تھی میری-

ناشتے پر دولہا میاں کی تلاش شروع ہوئی- تب کسی نے بتایا- وہ رات کو ہی اپنا بیگ اٹھا کر پنڈی چلا گیا تھا- اب باتوں اور سوالوں کا طوفان تھا اور ہدف میں تھی- مہمان اب کم رہ گئے تھے- پھر بھی بے شمار کھوجتی- کچھ تلاش کرتی نگاہیں مجھ پر جمی ہوئی تھیں اور مجھے یوں لگ رہا تھا جیسے میں شدید طوفان کی زد میں ہوں- ابا چلے گئے ہوں گے- اب میں کیا کروں گی- کیا میری زندگی ساس کے ساتھ گزرے گی- دولہا تو اپنی خفگی ظاہر کر کے جا چکا تھا- لیکن میں مطمئن تھی-

جو لوگ مجھے پریشان، خوفزدہ یا آنسو بہاتا دیکھنا چاہتے تھے انہیں یقیناً مایوسی ہوئی- جتنے آنسو میرے پاس تھے میں رات میں بہا چکی تھی- جسمانی آرام نے اب مجھے ایک سکون پہنچا دیا تھا اور ماں کے ستم سے نجات کی خوشی نے چہرہ بھی بشاش رکھا- اس وقت میں زیادہ دور تک دیکھنے کی صلاحیت نہیں رکھتی تھی-

خالہ صغریٰ کچھ جھینپی- رکی رکی سی آئیں- میرے سلام کے جواب میں بیٹے کی نازیبا حرکت پر معذرت کرنے لگیں- ساتھ ہی بات بھی بنا دی کہ ''اسے ضروری کام سے جانا پڑ گیا ہے- ورنہ-''

خالہ صغریٰ کچھ چپ ہو کر مجھے دیکھنے لگیں- میرا چہرہ ہاتھوں میں لے کر پیشانی پر بوسہ دیا اور پچھلے

جملے کے ساتھ ملا کر کہا۔

''ورنہ بھلا ایسا چاند چھوڑ کر کوئی دور جائے گا؟''

اگر پچھلے دن ماں بیٹے کے مکالمے نہ سنے ہوتے تو اس بہانے پر یقین کر لیتی۔ کر بھی کیا سکتی تھی اور میکے میں جسے خون آشام واقعات پیش آتے رہے ہوں۔ اسے سسرال سے بھی ایسی توقع رکھنی چاہیے۔ مگر خالہ صغریٰ میں شفقت' محبت۔ اعلیٰ ظرفی اور انسانیت موجود تھی۔ کم از کم ان سے میں کسی بے رحمی کی توقع نہیں کر سکتی تھی۔

آپا جمیلہ بھی آئیں تسلی دیتی رہیں۔

''گھبرانا مت۔ رضوان کل آجائے گا۔ کل ولیمہ ہے نا۔ بغیر دولہا کے ولیمہ ہو سکتا ہے بھلا؟''

وہ ہنسنے لگیں۔ مگر یہ ہنسی بڑی بے جان تھی۔ ان کے چہرے پر فکر کا تاثر تھا۔ میں واقعی ابھی خاصی کم عمر تھی۔ شادی جیسی ذمہ داری کی اہل نہ تھی۔ لیکن اس کم سنی میں ہی میں بڑے بڑے تجربوں اور مشاہدوں سے گزری تھی۔ میری عمر کی لڑکیاں الھڑ کہلاتی ہیں۔ بے فکری بے نیازی کی عمر۔ وہ اس عمر میں گڑیاں کھیلتی ہیں اور میں میں نے اس عمر میں بڑی منزلیں طے کر لی تھیں۔ میں خاصی ہوش مند تھی۔

بناوٹ' دکھاوا۔ منافقت۔ جھوٹ کی سیاست' نفرت کا عمل۔ میں کیا کچھ نہ دیکھ چکی تھی۔ بلکہ عملی زندگی میں میں ہی ان تمام فعلوں کا ہدف بنی۔ میرا زخمی جسم گواہ تھا کہ میں نے بے انداز ستم سہے۔ بے آواز۔ ظلم کا مقابلہ کیا۔ میں اب بے حس ہو چکی تھی۔ یا بے حد نڈر۔ اس لیے کہ میں ہر حال میں گزارا کر سکتی تھی۔ اس کم عمری میں ہی مشکلیں اتنی پڑیں ہم پر کہ آساں ہو گئیں کی روح کو سمجھ چکی تھی۔

گوشی ایک مرہم لائی۔ کمرہ بند کر کے اس نے ہر زخم پر کھرنڈ پر مرہم لگایا۔ وہ ایک سادہ سوٹ بھی لائی۔ جو اس نے تحفے کے طور پر مجھے دیا۔

جمیلہ آپا بھی دو سوٹ لے آئیں۔ شاید میری زندگی اسی طرح گزرے ہمدردیوں اور ترس کے ساتھ۔

☆☆

اگلے دن رضوان آ گئے۔ جمیلہ آپا کے شوہر لے کر آئے تھے۔ میں ڈر کے مارے نظر اٹھا کر دیکھ نہ سکی۔ مگر لگتا تھا کہ سخت بیزار اور مشتعل ہیں۔ جمیلہ آپا کی سرگوشیاں راز فاش کر رہی تھیں۔

شام کو گوشی پھر آ گئی۔ دوا لگائی۔ پھر میک اپ کی تیاری۔ معلوم نہیں اس ڈھکوسلے کی ضرورت کیا تھی۔ گو کہ کوئی نیا زخم جسم پر نہ تھا۔ مگر پرانے زخم پر کپڑا چپک جاتا۔ کھرنڈا کھڑتا۔ پہلے تو میں ہر دن نئے زخموں کی فہرست شمار کرتی۔ پرانا زخم ٹھیک نہ ہوتا کہ نیا ستم ٹوٹ پڑتا۔ لیکن ہائے۔ یا اف کرنے کی نوبت نہ آتی۔ مگر اب۔ مرہم نصیب ہوا۔ تو اگلے پچھلے زخموں پر ٹیسوں نے دھاوا بول دیا۔ اور میں ہائے اف کرنے پر مجبور بھی ہو گئی۔ چار دن میں ہی اتنی نازک مزاج ہو گئی؟ حیرت کی

بات۔

"خدا کرے آج تم رضوان کو جیت لو۔" گوشی میک اپ سے فارغ ہوگئی تھی۔

"ویسے بھی اسے آج پکڑ کر لایا گیا ہے۔ بے چارا۔ نہ جانے اس کے دل میں کیا کیا ارمان تھے۔ امینہ خالہ نے اس قدر جلد بازی سے کام لیا کہ توبہ۔ تھوڑا انتظار کر لیتیں وہ تو وہ اتنی توہین محسوس نہ کرتا۔"

"توہین؟" بے ساختہ میرے منہ سے نکلا۔

"ہاں تو اور کیا۔ بھئی وہ اکلوتا' خوب صورت' تعلیم یافتہ پھر لاڈلا۔ اسے تو کسی اونچے گھرانے میں شادی کی خواہش تھی۔ امیر کبیر ایڈوانس سسرال۔ لمبی سلامیاں کار کوٹھی سے کم تو بات نہ کرتا تھا وہ۔ خالہ جی کے آگے چپ ہوگیا۔ اوپر سے۔"

گوشی چپ ہوگئی۔ یعنی کہ اوپر سے کچھ ملا بھی نہیں۔ سو روپے کی سلامی ملی ہو تو ملی ہو۔ ابا نے تو سب کچھ ماں کے سپرد کر دیا تھا۔ کہ جو چاہو دو۔ بناؤ یا نقد پکڑا دو۔ آخر یہ ابا لوگ بیویوں کے آگے اتنے نرم کیوں ہو جاتے ہیں۔ اپنی عقل استعمال کر لیا کریں۔ تو بہتر نہ ہو اور بھلا اس میں میرا کیا قصور۔

گوشی مجھے سینڈل پہناتے ہوئے کہنے لگی۔

"ویسے تمہارا قصور ہی کیا ہے۔ لڑتا رہے اپنی ماں سے۔ تم سے کیوں جھگڑے۔ ویسے بھی۔ تم ایسی چیز نہیں ہو جسے کوئی مرد ٹھکرا دے۔ جلد کی بات الگ ہے۔"

"میری قسمت کا قصور ہے۔" میرا گلا بھر آیا۔

وہ جلدی سے بولی۔ "ارے رونا نہیں پلیز۔ نہ ہی قسمت کو الزام دینا۔ خود کو قدرت کے سپرد کر دو۔ وہ تمہیں ضرور صبر کا بڑا انعام دے گی۔ بس یاد رکھو کہ میکے کے جہنم سے نجات ملی ہے۔ خالہ صغریٰ کا گھر جنت ہے۔ یہ کم صلہ تو نہیں تمہارے صبر کا' بس اسی طرح آرام سے ملے گا۔"

گوشی کا دم غنیمت تھا۔ اس کی تسلیاں۔ دل جوئی اور عملی ہمدردی۔ دل ٹھہر سا گیا۔

☆☆

ولیمہ کسی سبزہ زار میں تھا۔ اسٹیج پر کافی لوگوں کی گنجائش تھی۔ میں تو ایک سنگی بت کی طرح اکڑی بیٹھی رہی۔ مووی بن رہی تھی۔ جمیلہ آپا مسلسل رشتے داروں کا مجھ سے تعارف کرا رہی تھیں۔

"یہ رضوان کی دلہن ہے اور یہ ہماری چچی ہیں۔ یہ چچا ہیں۔ یہ ان کی بیٹی۔ آئیں خالہ! رضوان کی دلہن سے ملیں آپ۔ آئیے۔ میں ملواتی ہوں۔"

مجھے ان کی کمنٹری سے کوفت ہو رہی تھی۔ جتنے لوگ تقریب میں آئے تھے سب ہی جانتے تھے میں کون ہوں۔ پھر بار بار جمیلہ آپا کا سب کو یقین دلانا۔ پھر کسی نے کہا۔

"ارے جمیلہ! سب کو پتا ہے رضوان کی دلہن ہے۔ مگر تم رضوان کو تو بلواؤ۔ بھئی تصویریں تو

بنوالے۔"

شاید رضوان کو زبردستی لایا گیا تھا۔ تب ہی طرح طرح کے تبصرے سننے میں آ رہے تھے۔ مذاق اڑایا جا رہا تھا۔

"رضوان! بھابھی کی طرف دیکھ کر مسکراؤ نا یار۔ پتا لگے کہ دولہا دلہن پر نثار ہو رہا ہے۔ یہ تم کیمرے کو مسکراہٹ دکھا رہے ہو۔"

"کیمرے کو بھی ایسی روکھی پھیکی مسکراہٹ نہیں چاہیے۔ ہنسو ہنسو۔ دلہن کو دیکھ کر۔"

"دلہن سے بھی کہو۔ وہ رضوان پر نظر رکھے۔ اس کے طور طریقے مشکوک ہیں۔ کبھی دائیں گردن گھماتا ہے کبھی سامنے۔ ارے بائیں دیکھ فضول لڑکے۔ بائیں ہوش اڑ جائیں گے۔ ٹیں ہو جائے گا۔"

"اسی لیے تو بائیں نہیں دیکھ رہا۔" قہقہے۔

یہ سب قریبی رشتے دار اور رضوان کے دوست تھے۔ گوشی میرے کان سے چپکی سب کے نام بتا رہی تھی۔ مگر اتنا شور ہو رہا تھا۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا۔

جونہی خالہ صغریٰ اسٹیج سے اتریں۔ وہ بھی کود کر فرار۔ لڑکے دوڑے۔

"بھاگ گیا۔ بھاگ گیا۔ پکڑو۔ جانے نہ پائے۔" مگر کوئی بھی پھر واپس نہ آیا۔

رات میں واپسی پر وہ مسلسل غیظ و غضب کا اظہار کرتے رہے۔ سخت الفاظ۔ روکھا لہجہ۔ خوف سے کانپنے لگی میں۔ کیسے بسر ہو گی یہ زندگی۔ یوں۔

کمرے میں آتے ہی میں نے لباس تبدیل کیا۔ گوشی کا لایا جوڑا پہن لیا۔ میک اپ دھولیا۔ زیور اٹھا کر رکھ دیا۔ جب جمیلہ آپا اور گوشی بولتی ہوئی اندر آئیں۔ مجھے دیکھ کر اپنی جگہ ٹھٹک گئیں۔

پھر جمیلہ آپا نے آگے بڑھ کر مجھ سے جواب طلب کیا۔

"یہ کیا؟ اتنی جلدی سب اتارنے کی کیا ضرورت تھی۔"

پھر گوشی سے مخاطب ہوئیں۔ "دیکھو ذرا۔ ہم تو چاہ رہے ہیں کہ رضوان ان کے حسن کا دیوانہ ہو کر سب کچھ بھلا دے اور ان کو دیکھو۔ یہ جلد بازی کہیں ہمارے کیے کرائے پر پانی نہ پھیر دے۔ وہ تو رسیاں تڑا رہا ہے۔ اتنی احمق لڑکی میں نے کہیں نہیں دیکھی۔"

خاصی خفا تھیں وہ۔ گوشی نے ہاتھ اٹھا کر انہیں روکا۔

"پلیز آپا! اس بے چاری کو کیا پتا کہ وہ رسیاں تڑا رہا ہے یا زنجیریں۔ وہ اتنی جہاں دیدہ بھی نہیں اور آپ نے اسٹیج پر اس کی حرکتیں دیکھی تھیں۔ جی چاہ رہا تھا۔ کس کے تھپڑ رسید کروں۔ بڑا ہے تو کیا ہوا۔ انسانیت تو ہونی چاہیے۔ دلہن نے کیا جرم کیا تھا جو وہ اس قدر بیزاری ظاہر کر رہا تھا۔ ارے سب دیکھ اور سمجھ رہے تھے۔ مذاق اڑا رہے تھے۔ اسے تو مووی والے کا بھی خیال نہ تھا۔ جسے محض کرائے پر بلایا گیا تھا۔ دنیا دکھاوے کو ایک دفعہ ہی موڈ ٹھیک کر لیتا۔ اتنے لوگوں میں اپنا

تماشا بنایا۔خود ہی ذلیل ہوا۔ دیکھیے گا۔ کیسا چرچا ہوتا ہے خاندان میں۔"

جمیلہ آپا بھونچکا سی کھڑی گوشی کو دیکھ رہی تھیں۔ جو جوش میں تھی یا بے حد مشتعل۔ اس نے میری آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ لیے تھے۔ یا چہرے پر پھیلی مایوسی کی تاریکی۔

رات گہری ہو گئی تھی۔ گھر میں شاید مہمان کم رہ گئے تھے۔ آوازیں ہی نہیں تھیں۔ میں بھی سونے کی تیاری کرنے لگی۔ اب مجھے کسی کا انتظار نہ تھا۔ میں تو تنہا ہی تھی۔ ایک ابا تھے جو دولت کمانے ڈنمارک جا چکے تھے۔ انہیں بھی مجھ سے زیادہ بیوی عزیز تھی۔ جوان کے ہمراہ تھی۔ انہیں بیٹی کی نہیں بیوی کی ضرورت تھی۔ بیٹی کو وہ انجان لوگوں کے سپرد کر گئے۔ یہ جانے بغیر کہ وہ کیسے ستم گر ہیں۔ بند آنکھیں آبشار بہانے لگیں۔ پتا نہیں اب آنسو کیوں بے قابو ہو گئے تھے۔ میں پہلے آنسو کب بہاتی تھی۔ شاید بہادر تھی۔ اب کمزور۔ یا بزدل ہو گئی تھی۔ ابا کی دوری نے یہ دن دکھائے تھے۔

گوشی کہیں قریب ہی رہتی تھی۔ صبح شام چکر لگاتی۔ اس کی امی بھی کئی بار آئیں۔ وہ بھی مہربان خاتون تھیں۔ خالہ صغریٰ جیسی۔ دونوں میں بہناپے کے علاوہ دوستی بھی تھی۔ پرانی دوستی۔ جمیلہ آپا کئی دن رہیں۔ پھر گوشی کو ہدایات دے کر سسرال چلی گئیں۔

☆☆

رضوان ولیمے کے اگلے روز پنڈی چلے گئے۔ انہوں نے مجھ سے ملنا گوارا نہ کیا۔ صورت دیکھنے کے روادار نہ تھے تو ملنا کیسا۔

جس دن وہ جا رہے تھے۔ گوشی نے انہیں پکڑ لیا۔ وہ ساتھ والے کمرے میں انہیں لے آئی۔ پہلے تمہید باندھی۔ پھر میری تعریف کی۔

"سنو گوشی! کیا تم بھی یہی سمجھتی ہو کہ زندگی گزارنے کے لیے حسین چہرہ کافی ہے؟ کیا یہ کامیاب زندگی کی ضمانت ہو سکتی ہے؟"

"میں یہ تو نہیں کہتی رضوان بھائی! کہ یہ کامیاب زندگی کی ضمانت ہو سکتی ہے۔ مگر مجھے یقین ہے کہ وہ تمہیں مایوس نہیں کرے گی۔ وہ معصوم ہے۔ کم سن ہے۔ مگر سمجھ دار ہے۔ کمپرومائز کر سکتی ہے۔"

"وہ؟ وہ بچی۔ جو مجھ سے عمر میں پندرہ برس چھوٹی ہے۔" نہایت استہزائیہ انداز میں بولے۔ تلخ ہنسی کے ساتھ۔ "وہ میرے جذبات کو سمجھ ہی نہیں سکتی۔ تو کمپرومائز کیا کرے گی اور تم بتاؤ۔ اس زبردستی کی شادی میں میرا کیا قصور ہے۔ مجھے میری مرضی کا رشتہ نہ ملتا کیا؟ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا تھا کہ یہ.... ایسے ہوگا۔ امینہ خالہ نے اماں کو پھانس لیا۔ اماں نے مجھے قربانی کا بکرا بنا دیا۔ میں امینہ خالہ کو معاف نہیں کر سکتا۔ انہوں نے اپنے مفاد کے لیے میرے خلاف سازش کی۔"

"مانتے ہو کہ اس میں اس لڑکی کا کوئی قصور نہیں۔"

"مانتا ہوں۔ مگر میری طبیعت اس کی طرف مائل نہیں ہوتی۔ جس طرح میرے ارمان ہائی جیک

ہوئے۔اس کا کچھ تو ردعمل ظاہر کرنا ہے مجھے۔تم یقین کرو۔میں ایک ایسی آگ میں گھر چکا ہوں جس کے شعلے بلند ہو رہے ہیں خاص طور پر جب کوئی اس پر چھینٹے ڈالنے کی کوشش کرے۔اس لڑکی کے حوالے سے میں مزید جل اٹھتا ہوں۔"

"تو تم انکار کر دیتے صاف۔کیا مجبوری تھی۔جلتے رہنے سے بہتر تھا۔اسے تو کوئی اور رشتہ مل ہی جاتا۔بلکہ امینہ خالہ کسی اور کو پھانس لیتیں۔"

"بس۔اماں نے مجبور کر دیا اور اب پچھتاتا ہوں۔"

"ماں کی رضا کے لیے کیا تھا نا اقرار۔تو اسے نبھاؤ بھی۔شادی کو انتقام نہ بناؤ۔ماں کی خاطر ہی سہی۔صبر سے کام لو یہی تمہاری قسمت میں تھا۔"

"ہاں انتقام ہی لے رہا ہوں۔خود سے۔میں قسمت کا منکر نہیں۔مگر صبر کیوں کروں۔کیا مجبوری ہے مجھے؟اماں کی خاطر یہ جوا گردن میں ڈالا ہے۔کبھی بھی اتار پھینکوں گا۔"

لہجہ مشتعل۔آواز سرد۔گوشی جانتی تھی'اس کمرے کی ہر آواز میرے کمرے تک بخوبی سنائی دیتی ہے۔شاید وہ جان بوجھ کر رضوان کو وہاں گھیر لائی تھی تاکہ میں ان کے خیالات خود سن لوں۔یا اس لیے کہ اس کمرے کے سوا کہیں تنہائی نہ ملتی۔رضوان بھی نہ ملتے۔نہ وہ کھل کر اظہار خیال کرتے۔

صغریٰ خالہ کو میں اماں کہنے لگی۔ان کی خواہش پر۔گوشی کو گوشی آپا۔کہ وہ مجھ سے کئی سال بڑی تھیں۔ان کی امی کو میں خالہ جان کہتی۔جمیلہ آپا کی طرح۔

اس گھر نے مجھے بڑا سکھ دیا۔اماں کی محبت۔جمیلہ آپا کی چاہت۔گوشی آپا کا تعاون نہ ڈانٹ نہ مار۔عیش ہی عیش۔میں خوش کیوں نہ ہوتی۔جسے ماں نے مامتا کے نام پر اذیتیں دیں اور باپ نے بے خبری کے ریکارڈ قائم کیے۔

☆☆

ابا کا خط آیا تھا۔انہوں نے صغریٰ خالہ اور رضوان کی بہت تعریف لکھی تھی اور مجھے ہدایت کہ میں ان کی خدمت میں دن کو دن سمجھوں۔نہ رات کو رات'ہر پل ان کی خوشنودی کے لیے کمربستہ رہوں۔دوسرا کوئی راستہ تو میرے سامنے ہے بھی نہیں ابا۔میرے تو سارے راستے آپ بند کر گئے۔ابا نے لکھا تھا کہ خدمت میں عظمت ہوتی ہے۔ان لوگوں کی خدمت کا صلہ تمہیں خوشی کی صورت میں ملے گا۔

واقعی میں خوش ہوں۔

کوئی دو ماہ گزرنے کے بعد رضوان اماں کے تقاضوں پر آئے۔اماں بہت خوش تھیں۔انہیں اپنے بیٹے کی سعادت مندی پر بڑا ناز تھا۔مجھے خاص ہدایت کی کہ میں اچھے کپڑے پہن کر نک سک سے درست رہوں۔رضوان ماں بہن کو بھی بڑے حلیے میں پسند نہیں کرتے۔ان کی خواہش

کے مطابق بری کا سب سے ہلکا سوٹ پہن لیا- جس کے گلے آستین پر کام بنا ہوا تھا- گو کہ مجھے اس سوٹ میں گرمی لگ رہی تھی- مگر اماں کو میں بڑی پیاری لگ رہی تھی- ان کا خیال تھا کہ رضوان کے بھی یہی جذبات ہوں گے-

رضوان کے دوست آئے ہوئے تھے- میں چائے بنانے لگی- اماں بیٹے کی پسند کا کھانا تیار کر رہی تھیں- رضوان چائے لینے آئے- چائے کے ساتھ نمکو وغیرہ تھا- چپس میں نے بنا دیے تھے- کباب تل کر رکھ رہی تھی- ایک نظر ڈال کر بولے-

''اماں! کوئی میٹھا نہیں ہے؟''

''ہاں ہے تو' تمہارے لیے بنا کر رکھا ہے- لا دیتی ہوں تھوڑا سا-'' اماں باہر چلی گئیں کمرے سے حلوہ لانے کے لیے-

میں نے ٹرے میں کباب رکھ دیے- رضوان ٹرے اٹھاتے ہوئے گردن ذرا سی میری جانب موڑ کر دھیمی آواز میں بولے-

''دلہن بننے کا بہت شوق ہے- دیکھ لیا میں نے- اب اس سنگھار کو بند کر دو- اگلی شادی پر کام آئے گا-''

میں نہ سمجھتے ہوئے بھی- اس مفہوم کو بیزاری اور نفرت کے اظہار کو خوب سمجھ گئی تھی- پھر بھی نہ جانے دل کیوں اس قدر زور سے اچھلا کہ ایک قدم پیچھے ہٹی- رضوان نہ جانے کس طرح مڑے کہ میں ٹکرائی- دو باتیں ایک ساتھ ہوئیں- ان کے قدم دروازے سے باہر اور میں لڑکھڑا کر سنک سے ٹکراتی ہوئی دھڑام سے زمین پر' دیوار سر میں لگی تھی- یا کیا ہوا کہ ایک لمحے کو آنکھوں کے نیچے اندھیرا چھا گیا- دروازے ہی سے ان کی آواز آئی-

''ڈرامے خوب کر لیتی ہو- امینہ خالہ کی ٹریننگ ہوگی-''

میں چکراتے سر کو تھام کر اٹھی- پھر آنکھوں تلے تارے چمکے- اندھیرا آیا اور بمشکل اٹھ کر دیوار کا سہارا لیا- کمرے میں جا کر اتارے ہوئے کپڑے پہنے- ریشمی جوڑا- پہلے ہی بدن پر چبھ رہا تھا- اب تو اس میں کانٹے اگ آئے تھے- بلکہ سانپ بھی سرسرانے لگے تھے- اسے اتار کر بکس میں رکھ دیا- پھر کبھی نہ پہننے کے عزم کے ساتھ اور سر تھام کر بیٹھ گئی-

صحن سے اماں کی آواز آئی تو اٹھ کر کچن میں آ گئی- برتن دھوئے- سالن اماں نے تیار کر دیا تھا- میں پھلکے ڈالنے لگی- میں کھانا پکانا نہیں جانتی تھی- اماں سکھا رہی تھیں- مگر بیٹے کے لیے خود آ گئی تھیں کچن میں- اماں اور رضوان ساتھ ہی آئے- مجھے دیکھ کر اماں نے قدرے ناگواری سے کہا-

''اچھے بھلے کپڑے اتار کر پھر پرانے پہن آئیں- اچھے لگ رہے تھے یہ کپڑے بکس میں بند

رکھنے کے لیے نہیں ہیں۔ بیٹا! بڑوں کی بات مان لینا چاہیے۔ تم نے میرے کہنے پر پہنے تھے۔ مجھے خوشی ہوئی تھی۔ کیا بس دکھانے کے لیے پہنے تھے۔"

"نہیں اماں! وہ برتن دھونے میں خراب ہو رہے تھے اس لیے۔"

میری آواز تکلیف کے باعث رندھ گئی۔ رضوان ٹرے رکھ کر جانے لگے تو اماں ان سے مخاطب ہو گئیں۔

"ارے چل نہ دینا دوستوں کے ساتھ۔ کھانا تیار ہے کھا لو۔"

"کہاں جا سکتا ہوں اب۔" رضوان چڑ کر بولے۔

"ہاں تو اتنے دن بعد آئے ہو۔ میرا دل چاہتا ہے میری نظر کے سامنے رہو۔ گھر میں دلہن ہے۔ اس کے ساتھ ہنسو بولو۔ اتنے دن خاموشی میں گزارے ہیں میں نے۔ اب رونق چاہتی ہوں۔"

"دیکھتی رہتی ہوں گی روز ڈرامے۔" تلخ اور طنز، میرا حلق کڑوا ہو گیا۔

"میں نہیں دیکھتی ڈرامے۔ نہ اس بے زبان کو ایسا شوق ہے۔ یہ تو کام سے لگی رہتی ہے۔ کہیں جاتی بھی نہیں۔ آج تم اسے چچا سے ملوا لاؤ۔ قید ہو کر رہ گئی ہے۔ میری تو ہمت نہیں ہوتی کہیں جانے کی۔ بیٹا اب اسے خوش رکھنا تمہارا فرض ہے۔ اس کے ماں باپ بھی پاس نہیں کہ میکے ہی چلی جائے۔ کبھی ادھر ادھر گھما لایا کرو۔"

رضوان نے کہا۔ "اچھا۔" اور چلے گئے۔

اماں ان کے پیچھے چلی گئیں۔ شاید مزید نصیحتیں کرنے۔ میں اماں کے کمرے میں آ کر ان کے کرتے کی تُرپائی کرنے لگی۔ سر میں اب تک درد تھا۔ میں ٹالنے کی کوشش کر رہی تھی۔ دل نہ چاہتے ہوئے خود کو مصروف کرنا۔ مگر کیا کرتی۔

اماں کچھ بولتی ہوئی اندر آئیں۔ پھر گھبرا کر چیخیں۔

"ارے بچی! یہ کیا ہے؟" اور میری طرف لپکیں میں گھبرا کر مڑی۔

"کیا ہے اماں؟"

اماں نے میری گردن تھام لی۔ "یہ..... یہ خون کہاں سے آیا؟" ان کی آواز میں کپکپاہٹ تھی۔

میں نے گردن پر ہاتھ پھیرا۔ تو انگلیاں خون سے بھر گئیں۔ دوسرے ہاتھ سے سلائی دور کی۔ اماں خون کا منبع تلاش کرتے ہوئے رضوان کو بلا رہی تھیں۔ وہ اماں کی چیخ سن کر آئے۔ پھر دونوں ماں بیٹے زخم تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جو سر کے پچھلے حصے میں تھا۔ اماں اصل ریشم کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ لائیں رضوان میرے لمبے گھنے بالوں کو برا بھلا کہتے ہوئے بڑبڑا رہے تھے۔ بال کاٹ کر زخم میں ریشم کی راکھ بھری۔ اس پر پھٹکری پیس کر چھڑکی۔ پھٹکری زخم پر لگی تو چکر آ گیا۔

''ارے۔ یہ زخم کہاں سے لگا۔ لڑکی! کچھ بتا تو سہی۔''
''میں گر گئی تھی۔ وہاں۔ شاید تب ہی مجھے پتا ہی نہیں چلا اماں۔''
''ہونہہ! ڈرامہ باز۔'' زیرلب کہہ کر رضوان کمرے سے نکلے اماں میرے پیچھے پڑ گئیں۔ ہدایتیں مسلسل ہدایتیں۔ انہوں نے پٹی باندھ کر مجھے بستر پر لٹا دیا۔
''آرام کرو۔ ہلنا نہیں اب۔ غضب خدا کا۔ سر کھل گیا۔ خون کے دریا بہہ گئے اور اتنی بے خبری۔''
میری ہمدرد ماں جی۔ کیا بتاؤں۔ کیسے کیسے زخم کھا چکی ہوں۔ دل جلا ہے۔ جذبات راکھ ہوئے۔ میری تو ساری حسیں میری ماں کے سلوک نے سلب کر لی ہیں۔ روح پر چرکے لگائے تھے۔ تب ہی تو عاری ہوگئی احساس سے۔ اب تو کچھ سکون ملا ہے۔ ضبط کی عادت پڑ چکی ہے۔ مگر زبان سے کچھ نہ کہہ سکی۔ اماں نے ایک گولی بھی کھلا دی غالباً درد روکنے کی۔ اس نے بھی مدد کی۔ مجھے نیند آ گئی۔
گوشی آپا کافی عرصے سے نہیں آئی تھیں۔ اس دن آ گئیں۔ زخم کے بارے میں سوالات کیے۔ پھر آنکھیں چمکا کر بولیں۔
''بہت دن کے بعد آئی ہوں۔ پوچھو گی نہیں وجہ۔''
''ہاں۔ بتائیں۔''

''بھئی منگنی ہوگئی ہے میری۔ شرم آتی تھی مجھے تم سے مل کر۔ تم مجھ سے سات سال چھوٹی ہو اور شادی شدہ۔ مجھے کم از کم منگنی شدہ تو ہونا چاہیے تھا۔ سو وہ میں نے کر لی۔ اب بے دھڑک مل سکتی ہوں۔ کہو کیسی رہی۔''
کافی خوش تھیں۔ میں نے مبارکباد دی۔ شادی کے بارے میں دریافت کیا۔ بولیں۔
''شاید اگلے چھ ماہ تک۔ دراصل شادی بھی ہو جاتی۔ مگر میرا جو بھائی ہے نا بھائی اس کے زبردست قسم کے امتحان ہو رہے ہیں۔ وہ ان سے فارغ ہوگا۔ تب شادی ہوگی۔''
''چھ مہینے تک امتحان ہوں گے؟''
''اوہ نہیں بھئی۔ دراصل وقفے وقفے سے ہوتے رہیں گے اور وہ پڑھائی میں جتا رہے گا۔ پڑھاکو ہے زبردست۔'' گوشی آپا کی زبان پر جیسے شہد لگا تھا بھائی کے ذکر پر۔
''آپ سے چھوٹا ہے؟''
''نہیں۔ برابر ہے۔'' انہوں نے چٹخارا لے کر کہا۔ ''بڑی مزے کی باتیں کرتا ہے۔''
وہ مسلسل اس کا ذکر کرتی رہیں آخر میں بتایا کہ وہ ان کا جڑواں بھائی ہے۔ مجھے ہنسی آ گئی۔
رضوان نے صحن سے ہی آواز لگائی۔ ''چار کپ چائے چاہیے۔'' میں اٹھنے لگی۔
گوشی آپا نے سختی سے روکا دروازے پر جا کر کہا۔ ''بنا لو جا کر۔''

''کیوں- میں کیوں بناؤں- وہ ایک کارگزار خاتون بھی ہوتی ہیں گھر میں-''

''خالہ جی پڑوس میں گئی ہیں- مجھے بٹھا گئی ہیں- میں چائے نہیں بناؤں گی- اپنے گھر میں بھی کام- اگلے گھر بھی واہ ہم مہمان ہیں-''

''میں ان کا ذکر کررہا ہوں- جو محو آرام ہیں-''

''وہ- محو آرام صاحبہ کے سر کا زخم کھل جانے کا ڈر ہے- اس لیے خالہ جی قسم دے گئی ہیں- ویسے کبھی کبھار ہاتھ ہلانے میں حرج نہیں ہے- نہ ہی ذلت ہے- بنالو چائے-''

پھر گوشی آپا صحن میں چلی گئیں- کچھ دیر رضوان سے جھک جھک ہوئی- مجھے پھر نیند آ گئی- رات کو آنکھ کھلی- تو اماں گرم دودھ لے آئیں- مجھے بڑی شرم آئی-

''جاؤ بیٹا! اپنے کمرے میں جا کر سوؤ-''

انہوں نے مجھے چمکار کر کہا- وہ چاہتی تھیں کسی طرح میں ان کے بیٹے کا دل جیت لوں- جو ناممکن تھا- اس لیے میں چپ پڑی رہی- عزت نفس کا احساس تو تھا مجھے-

رات دیر تک اماں کمرے سے باہر رہیں- یقیناً بیٹے کو نصیحتیں کررہی ہوں گی میں تو آرام سے پڑی سوتی رہی- میں اماں کے کمرے میں ہی سوتی تھی- دو ہی آدمی تھے گھر میں- الگ الگ کہاں رہتے- مجھے تو ڈر بھی لگتا تھا- صبح کو بھی اماں نے اٹھنے نہیں دیا- خود ناشتہ بنا کر لائیں- رضوان کو بھی بلا لیا- زمین پر میرے بال پڑے تھے- اماں نے اٹھا کر تاسف سے کہا-

''ہائے ظالم- اتنے سارے بال کاٹ ڈالے- بچی نے کتنے جتن سے بڑھائے ہوں گے-''

''اب بھی بہت باقی ہیں- پلنگ کے لیے رسی بٹوائیں گی؟ اور کاٹ دوں؟''

''اللہ نہ کرے- عورت کا حُسن بالوں کا مرہون منت ہے- ترسا کرتی ہیں لڑکیاں کہ کیسے بال بڑھالیں- میری بہو کے بالوں کو نظر لگاتی ہیں-''

''وحشی جنگلیوں والے بالوں کو بھی نظر لگ سکتی ہے؟ اس ڈھیر کا کوئی فائدہ- زخم تلاش کرنا مشکل- مجھے تو لگا جیسے افریقہ کے جنگل میں سفر کررہا ہوں' جنگلی جانوروں سے بچتا بچاتا- اف جہالت-'' ناگواری کے پھن پھیلے نظر آرہے تھے ہر طرف-

''چل ہٹ ناقدرا-'' اماں پیار سے بیٹے کو ٹہوکا مار کر میرے پاس آ بیٹھیں اور لگیں میرے حُسن کی تعریف کرنے- شرم سے میں بے حال ہو گئی-

اس دن رضوان واپس چلے گئے- اماں انہیں رخصت کر کے آئیں- خاصی سنجیدہ تھیں- میرے سامنے بیٹھ کر ہولے سے بولیں-

''بیٹا! حالات سے کبھی گھبرانا نہیں- نہ ہی مایوس ہونا- وقت کبھی ایک سا نہیں رہتا- دکھ کے دن تھوڑے ہوں- تب بھی بہت لگتے ہیں- سکھ کی لمبی راتیں ہمیشہ بہت کم لگتی ہیں- بیٹا مجھے یقین

ہے۔ قدرت تم پر بھی مہربان ہوگی۔ دکھ کے دن آخرکار گزر جائیں گے اور تم بھی سکھ کی نیند کے مزے لوٹو گی۔'' ان کی آواز بھاری ہوگئی۔

''اماں! میں خوش ہوں۔ آپ کیوں فکر کرتی ہیں۔ مجھے میکے میں بھی کبھی ایسا سکھ نصیب نہیں ہوا۔ جتنا آپ نے مجھے دیا ہے۔ اس سے زیادہ کی تو میں امید بھی نہیں کرتی۔''

''نہیں نہیں۔ جو سکھ شوہر کی ہمراہی میں ملتا ہے وہ اصلی ہوتا ہے۔ میں تو آج ہوں۔ کل کیا ہوگا۔ اللہ جانے تمہیں کل کے لیے منصوبہ بندی کرنی چاہیے۔ تمہاری جیسی بیوی ہر مرد کا ارمان ہوتی ہے۔ تمہیں بھی کچھ کوشش کرنی ہوگی۔ آگے بڑھ کر اپنا حق طلب کرو۔ اس میں کوئی شرم نہیں۔ اس سے بات کرو۔''

''میں بات کروں؟'' میں کانپ کر رہ گئی ایک ہاتھ بے ساختہ سر پر چلا گیا۔ چوٹ۔

''ہاں۔ تم بات کرو پتا تو چلے۔ وہ کیا چاہتا ہے۔ دیکھو' باہر سے وہ جتنا سخت اور کھردرا ہے۔ اتنا اندر سے ہے نہیں۔ نرم گودا سا۔ بس ضدی ہے۔ مجھ سے تو ہر بات میں بحث کرتا ہے۔ اس لیے چاہتی ہوں کہ تم خود آگے بڑھو۔ اس سے پوچھو کہ تمہیں اپنے ساتھ کب لے کر جائے گا۔ شادی مجھ سے تو نہیں ہوئی کہ میں تمہیں ساتھ رکھوں۔''

''اماں۔'' باہر سے آواز آئی۔ میں جھٹ تکیے پر گر گئی۔ آنکھیں بند کر لیں۔ دل دھڑ دھڑ بجنے لگا۔

''اماں! آپ بھول جاتی ہیں۔'' ناگواری لہجے سے برس رہی تھی۔ یقیناً اماں کی گفتگو سن چکے تھے محترم۔ ''آپ شادی کی ذمہ دار ہیں۔ آپ نے ہی میری منتیں' خوشامدیں کی تھیں۔ آپ کو اپنی زبان کا درد تھا۔ جو آپ اپنی لاڈلی چلترباز بہن کو دے کر پابند ہوگئی تھیں۔ میرا تو بس اتنا کام تھا کہ آپ کے حکم پر سر جھکا دوں۔ آپ جہاں بھی لے جاتیں۔ میں چلا جاتا۔ میری ذمہ داری نہیں آپ کی تھی۔ آپ ہی اس بوجھ کو اٹھائیں۔ یا' گرادیں۔ یا جہاں سے لائی ہیں انہیں لوٹا دیں۔''

ماشاء اللہ پھول جھڑ رہے تھے۔ زہریلے۔ اماں کو جلال آگیا۔ خوب ہی صلواتیں سنائیں۔ بیٹے کو گھر سے نکلنے کا آرڈر دیا اور اس کے عمل درآمد ہونے پر دوپٹے میں منہ چھپا کر لیٹ گئیں۔ آخر میں۔ ''آئندہ قدم نہ دھرنا میرے گھر میں۔'' کا آرڈر پشت سے چپکا دیا۔

☆☆

گوشی آپا کی شادی کی تاریخ طے ہوگئی تھی۔ اماں اور میں ان کے گھر روز چلے جاتے' اماں تو خالہ جان کے ساتھ مصروف عمل رہتیں۔ کبھی پینڈیاں بن رہی ہیں۔ تو حلوے بھونے جارہے ہیں۔ رضائیوں میں پٹاپٹی کی گوٹ سی جارہی ہے۔ میں بھی حتی الامکان کچھ کردیتی۔ دوپٹے میں ستارے ٹانکنا۔ گوٹا کرن لگانا۔ چھوٹے موٹے کام میرے ذمے تھے۔

جمیلہ آپا جب آتیں۔ کوئی کام نہ ہوتا' گانا ہوتا یا لطیفے' قہقہوں کی برسات برسا کر وہ چلی جاتیں۔ اس دن بھی وہ آئی ہوئی تھیں۔ مگر خالہ جان نے صاف کہہ دیا۔

''آج ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھنے والے کو کھانا نہیں ملے گا۔ وقت کم ہے کام کرو۔''

میں تو حسبِ معمول دوپٹہ لیے بیٹھی تھی۔ جمیلہ آپا مٹر چھیلنے لگیں۔ پھر چھلے ہوئے دانے لے کر کچن کی طرف چلی گئیں' جاتے جاتے مڑ کر ایک آنکھ دبا کر بولیں۔

''اپنی محنت کے ہیں۔ ابھی تل کر لاتی ہوں۔ سب مل کر کھائیں گے۔''

یعنی جتنے مٹر چھیلے تھے وہ سب لے کر چلی گئیں۔ احسان جتا کر۔ پھر تل کر لے بھی آئیں اور ہم سب نے کام رکھ کر چمچے پکڑ لیے۔ جب پیالے میں مردانہ ہاتھ داخل ہوا اور مٹھی بھر دانے اٹھ گئے۔ تو میری نظر اٹھی۔ وہ مٹھی منہ میں ڈالے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ کچھ حیران سا۔ اسی وقت جمیلہ آپا اٹھ کر باہر چلی گئیں۔ ان کے جاتے ہی گوشی نے لڑکے کے کندھے پر زوردار دھپ رسید کر کے کہا۔

''او۔ بدتہذیب انسان۔ کھانے کے کچھ آداب ہوتے ہیں۔ جو بچپن سے امی ابا تمہیں ازبر کرا رہے ہیں۔ مگر تم رہے وہی جنگلی کے جنگلی۔''

''خاندان بھر میں سب سے زیادہ تعلیم یافتہ ہوں۔'' بڑے فخر سے کہا گیا۔ ''جنگلی کہنے والے اپنے گریبان میں منہ ڈالیں۔ مگر اس سے پہلے میرا ایک سوال ہے۔''

''فرماؤ۔ وحشی۔''

''یہ.... تمہاری کون سی دوست ہے یہ سامنے' نمبر سے بتانا۔ ساٹھ عدد سے تو میں واقف ہوں۔'' انداز بڑا لاپرواہ تھا۔

''یہ میری عزیز ترین بہن ہے۔ بس اتنا تعارف کافی ہے فی الحال۔'' گوشی نے بھی ادائے بے نیازی سے کہا۔ ''اور اب یہ پیالہ اٹھا کر چلتے پھرتے نظر آؤ۔''

''اتنی بے درد تو نہ بنو آپا۔'' کراہ کر کہا گیا۔ یہ یقیناً گوشی کا وہ بھائی تھا جس کی آمد پر گوشی کی شادی ٹھہرنی تھی۔ ''کچھ دیر اپنے کمرے میں ہمارا وجود برداشت کر لو۔''

''جی نہیں۔ ایسی بے تکلفی کی گنجائش نہیں ہے۔''

''میں تو تمہارے کمرے کو زیارت گاہ سمجھتا ہوں۔ بڑا ادب کرتا ہوں۔ پلیز آپ میری مدد کریں۔ اتنی دور سے چل کر آیا ہوں۔''

وہ مجھ سے مخاطب تھا اور میں پریشان ہو گئی۔ گوشی نے اسے دھکے دے کر نکالا۔ اس دن کے بعد وہ روز ہی گوشی آپا کے کمرے میں ملتا اور دھکے دے کر ہی نکالا جاتا۔

آخر گوشی آپا رخصت ہو کر پنڈی چلی گئیں۔ جاتے جاتے مجھ سے کہہ گئیں کہ وہ پنڈی جا کر

رضوان کا پیچھا کریں گی۔
جمیلہ آپا شادی میں اپنے دیور کے لیے لڑکیاں دیکھتی رہیں۔ دیور کو بھی دکھاتیں۔ پھر بڑبڑاتیں۔
"لو بھلا۔ پہلے کہتا تھا۔ بڑی آنکھوں والی ہو۔ بڑی آنکھوں والی دکھائی۔ تو لمبے بالوں والی کی شرط رکھ دی۔ آج کل لڑکوں کے بال تو لمبے ہو سکتے ہیں۔ لڑکیاں تو گدیاں صاف کرا رہی ہیں۔ بھلا بتاؤ۔"
مگر انہوں نے ہمت نہ ہاری اور گوشی آپا کے ولیمے میں دیور کے ساتھ پنڈی چلی گئیں۔ مگر مطلوبہ لڑکی مل کر نہ دی۔

☆☆

وہ رضوان سے مل کر آئی تھیں مگر مجھے کچھ نہیں بتایا۔ اماں سے سرگوشیاں کرتی تھیں۔ اماں کی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ پتا نہیں موسم کی وجہ سے یا فکریں کر کر کے۔
جمیلہ آپا روز آنے لگیں۔ علاج، دوا وغیرہ میں ان کی مرضی اول تھی۔ ان کا دیور فرخ بھی ساتھ آتا۔ وہ ڈاکٹر کو بلانے۔ دوائیں لانے۔ کلینک کے چکر لگانے وغیرہ میں گھر کی ضرورتیں پوری کرتا۔ مجبوری تھی۔ میں تو اماں کے قریب بیٹھی رہتی۔
فرخ بھی بہانے بہانے کمرے میں آتا۔ میں دوسری طرف منہ موڑ لیتی۔ وہ ادھر بھی آ جاتا۔ اس کی تیز نظریں مجھے اپنے وجود میں گڑتی ہوئی محسوس ہوتیں۔ اس کا مذاق بھی زہر لگتا مجھے جبکہ جمیلہ آپا قہقہے لگاتیں۔ ان کی گفتگو عموماً لڑکی کی تلاش کے بارے میں ہوتی۔ فرخ لڑکیوں کی شکل صورت پر نکتہ چینی کرتا۔ اماں سے گواہی لینا چاہتا۔ اماں کی طبیعت خراب تھی۔ وہ بھی بیزار تھیں۔
گوشی آپا سسرال سے آئیں تو اماں کو دیکھنے آئیں۔ فرخ موجود تھا۔ وہ مجھے الگ لے جا کر بولیں۔
"سخت ناقابل اعتبار ہے یہ شخص۔ کبھی گھر میں اکیلی ہو تو دروازہ ہرگز نہ کھولنا۔ باہر کے باہر ٹرخا دینا۔ خالہ جی کی بیماری نے تمہیں تنہا کر دیا ہے۔ محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ورنہ رضوان کا شک کہیں اور گہرا نہ ہو جائے۔"
میں چونکی۔ "شک گہرا.... کیا انہیں مجھ پر شک ہے؟"
گوشی آپا کے منہ سے بے ساختہ جملہ نکل گیا تھا۔ وہ بھی پریشان ہو گئیں۔ "ہاں۔" نظریں چرا لیں۔ "پنڈی میں میری بات ہوئی۔ وہ کہتا ہے کہ خالہ امینہ نے کسی وجہ سے شادی میں جلدی سے کام لیا اور پھر میاں بیوی رفو چکر ہو گئے۔ جبکہ امینہ کے تم سے پیار کے ڈنکے پٹ رہے تھے۔ کوشش کرتے تو۔ خالو ساتھ لے جا سکتے تھے تمہیں۔ میں نے تم پر خالہ کے ستم کا بتایا۔ اسے یقین

نہیں آیا- یہی کہا کہ کوئی وجہ تو ہوگی ورنہ کون کسی سے غیر انسانی سلوک کرے گا-"

میں گوشی آپا کو دیکھتی رہی- دل رک رک کر جلنے لگا تھا اور دماغ میں سنسناہٹ ہو رہی تھی- یہ ایک نئی بات- پہلی بار سنی تھی اور ایسی بات سن کر گنہگار بھی بے چین ہو جاتا ہے- تو رضوان کی مجھ سے نفرت کی یہ وجہ تھی؟ یا اس کے بلند معیار خیالات ارمان اور آدرش کی ناکامی نے مجھ کو ہدف انتقام بنانا ضروری سمجھا تھا اس شخص نے لیکن میری ذات- بہر حال کسی پہاڑی کی اونچی چٹان پر ایستادہ تھی- جس کے تین طرف خوفناک کھائیاں تھیں- ہوا کا تیز جھونکا بھی- لڑکھڑانے کی گنجائش بھی نہ تھی- ابھی تک تو میں امن چین کے جھولے میں تھی- اب پتا چلا' یہ خواب ہے اور ذرا قدم بہکا- بلکہ ہوا نے بھی اشارا کیا تو میں کھائی میں گر پڑوں گی- میرے محافظ خود دھکا دے دیں گے-

اب مجھے اماں کی پناہ کی قدر ہوئی اور زیادہ ہی اہمیت- اللہ ان کو زندہ رکھے اور وہ کبھی مجھ سے بدظن نہ ہوں- ہر نماز کے بعد میں ان ہی کی صحت کی دعا مانگا کرتی- میں نے خود ایک بار اپنے زخموں کے داغ انہیں دکھا دیے تھے اور اپنی خطاؤں کی تفصیل بھی- اماں نے اسی وقت مجھے گلے لگا کر کہا تھا-

"اس کٹنی کو کبھی ماں نہ کہنا- میں ہوں تمہاری ماں- کم بخت' ظالم جادوگرنی-"

اماں اسی لیے رضوان سے خفا تھیں کہ انہیں میرے دکھوں اور محرومی کا احساس تھا نہ یقین-

☆☆

آخر اماں کو میری خدمت' لگن اور دعاؤں نے صحت یاب کر ہی دیا- اب اور زیادہ ان کا خیال رکھتی کہ پھر نہ بیمار ہو جائیں۔

یں- گھر میں عیادت کرنے والوں کا ہجوم رہتا- اماں رشتے داروں اور محلے والوں میں بہت مقبول تھیں-

جمیلہ آپا نے مجھے مشکل میں دیکھا تو اتنی مہربانی کی کہ ایک بوا کو لے آئیں- بوا دن میں کسی کے گھر کھانا پکاتی تھیں- اس لیے میرے پاس وہ سہ پہر کو آتیں- لوگ بھی عموماً شام کو آتے تھے- بوا چائے وغیرہ بنا لیتی تھیں- مجھے بڑا آرام اور سہولت ہوگئی- رات کو وہ یہیں رہتیں- صبح ناشتہ بنا کر چلی جاتیں-

اب جمیلہ آپا کا چکر کئی دن بعد لگتا- مگر فرخ روز آ جاتا- یہ بھی شکر ہے کہ اماں بات چیت کرنے لگی تھیں اور شام کو بوا بھی ہوتی تھیں- تو میں اس کا سن کر کمرے میں چلی جاتی تھی-

اس دن بھی وہ آیا ہوا تھا- میں اپنے کمرے میں لیٹی تھی- اچانک رضوان کو سامنے دیکھ کر حیران ہو کر اٹھی- ان کے چہرے پر کبیدگی کے آثار تھے- بیگ نیچے پٹخ کر کہا-

"یہ کیوں آتا ہے اب؟"

''جی؟'' میں سمجھ گئی تھی مگر گھبرا گئی۔

''بناوٹ کی ضرورت نہیں۔فرخ کیوں آتا ہے؟'' (اس سے خود پوچھنا تھا۔ میں کیا بتاؤں)

''چائے لاؤ۔''

حکم دے کر باتھ روم میں گھس گئے۔ خدا کی شان۔ آج تو مخاطب بھی ہو رہے ہیں۔ گھر آئے مہمان کے بارے میں استفسار بھی ہو رہا ہے۔ چائے کا آرڈر بھی۔ شاید اماں کی علالت کا سن کر آئے ہوں گے۔ حالانکہ ان کی آمد اتنی ضروری نہیں تھی۔ خیر اگلے دن ہی آمد نزول کی وجہ معلوم ہو گئی۔

''مجھے شادی کے لیے تمہاری اجازت چاہیے تحریری اجازت۔''

دوٹوک انداز تھا۔ میں واقعی ہکا بکا ہو کر انہیں دیکھنے لگی۔ بے ارادہ۔ کیا میری اتنی حیثیت ہے؟ میرے علم میں لائے بغیر بھی یہ کام کر سکتے تھے۔ بلکہ علم ہونے کے بعد بھی۔ بھلا میں کیا کر لیتی۔ اماں نے مجھے پاس بٹھا کر چپکے چپکے سمجھایا۔

''دیکھو خبردار۔ رضوان کچھ بھی کہے۔ جواب نہ دینا۔ کوئی کاغذ دے دستخط نہ کرنا۔ ابھی میں زندہ ہوں۔ دیکھتی ہوں۔ کیسے وہ من مانی کرتا ہے۔'' اماں خاصی پریشان تھیں۔

میں نے انہیں سہارا دے کر لٹایا۔

''اماں! آپ فکر نہ کریں۔ آپ کے بیٹے آپ کے فرماں بردار ہیں۔ کیوں پریشان ہوتی ہیں۔''

''کہتا ہے۔ تم یہیں رہو گی۔ وہ وہاں۔ ارے میری آنکھیں بند ہوتے ہی وہ دندناتی ہوئی آ جائے گی۔ یہ میرا گھر ہے۔ میں.....میں۔''

اماں کانپنے لگیں۔ کمزور تو تھیں، بمشکل انہیں ٹھنڈا کیا۔

''اگر اس نے تم کو چھوڑا تو میں کبھی اسے معاف نہیں کروں گی۔ یاد رکھنا۔ ماں کی دعا لینی ہے تو تمہیں تمہارا مقام دینا ہو گا۔''

اماں کسی طور یہ بات بھلا نہیں رہی تھیں۔ میں تھک گئی کہہ کہہ کر۔

''اماں! میں خوش ہوں۔ آپ کا بیٹا اتنا بے رحم بھی نہیں ہو سکتا کہ مجھے بے سہارا چھوڑ دے۔ اماں! میرا کوئی نہیں آپ کے سوا۔''

میرا اندازہ کتنا غلط تھا۔ شاید وہ بے رحم نہ بھی ہوں۔ مگر معاملہ ان کی پسند کی شادی کا تھا۔ ہر شخص کو اپنی خوشیاں حاصل کرنے کا حق ہے۔ رضوان کا کیا قصور کہ ان سے ان کا حق بہ جبر چھین لیا گیا۔ اب جب ان میں اتنی ہمت پیدا ہوئی اور ان کی آئیڈیل لڑکی بھی مل گئی۔ تو بھلا مجھ جیسی کمزور ہستی کی فکر کیوں ہوتی اور میں مقابلہ بھی تو نہیں کر سکتی۔

رات کو کچن ہی میں اسٹول پر بیٹھ کر وہ اپنی خواہش کی تکمیل کے بارے میں بیان داغنے لگے۔ ان کو آئزہ کی شکل میں دل پسند شریک حیات مل رہی تھی۔ ایڈوانس، اعلیٰ تعلیم یافتہ۔ سرمایہ دار باپ کی بیٹی۔ یہی تو ان کا ارمان اور آرزو تھی۔ میں ان کے ساتھ چل ہی نہیں سکتی تھی۔ جاہل..... مفلس کی بیٹی۔ جسے محفلوں میں اٹھنے بیٹھنے کی تمیز بھی نہیں۔ بھلا رضوان۔ جو سوسائٹی کے دلدادہ اور ہائی کلاس سوسائٹی کا فرد بن کر بہت اوپر جانا چاہ رہے تھے۔ ان کا میرے ساتھ کیا جوڑ تھا۔ مگر ان کی اماں نے سادگی میں سمجھا ہی نہیں۔ جانا ہی نہیں۔

''میرے کمرے میں کاغذات رکھے ہیں۔ دستخط کر دینا یا انگوٹھا لگاؤ گی؟'' جاتے جاتے مڑ کر طنز سے فرمایا۔ ''بہرحال میں یہ کاغذات مکمل کروا کر آج ہی لے جانا چاہتا ہوں۔ نہیں کل، کل شام تک۔''

میں کھانا پکاتی رہی۔ اماں نے سختی سے منع کیا تھا۔ خاموش رہنے کی ہدایت کی تھی۔ اماں کو کھانا دے کر خود کھالیا۔ رضوان کے لیے کچن میں ہی ڈھانک کر رکھ دیا۔ وہ گھر میں نہیں تھے۔ پھر انتظار کیے بغیر اماں کے پاس جا کر سو گئی۔ بوا کی وجہ سے آسانی تھی۔ دروازہ انہوں نے کھولا ہوگا۔ اماں تو چاہتی تھیں کہ میں اپنے کمرے میں سوؤں۔ شاید رضوان کو کسی چیز کی ضرورت ہو میں اتنا تو جانتی تھی۔ انہیں ہر چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے۔ علاوہ میرے۔

☆☆

میلے کپڑے کافی جمع ہو گئے تھے۔ میں انہیں اکٹھا کر کے صحن میں بنے کھرے میں مشین فٹ کرنے لگی۔ جمیلہ آپا بولتی ہوئی داخل ہوئیں۔ رضوان کے ساتھ۔ تعجب ہوا۔ صبح ہی جا کر لے آئے۔ حالانکہ بہن کی انہیں خاص چاہت نہ تھی۔

جمیلہ آپا مجھے نظر انداز کر کے اماں کے کمرے میں چلی گئیں۔ میں کپڑے مشین میں ڈال کر کچن میں گئی۔ کھانے کی تیاری بھی کرنی تھی۔ گوشت سبزی نکال کر مسالا تیار کیا پھر صحن میں آ کر کپڑے مشین سے نکالے۔ بالٹی میں ڈال کر کھنگال رہی تھی تو رضوان غصے میں بھرآئے۔

''کہا بھی تھا کہ لکھنا نہیں آتا تو انگوٹھا لگا دینا۔'' لہجے میں تندی اور عجلت کا تاثر تھا۔

''مجھے کسی باورچن یا دھوبن سے دلچسپی نہیں ہے۔ یہ کام تنخواہ دار لوگ کرتے ہیں۔ آیا سمجھ میں سیدھی طرح دستخط کرو۔ یہ بھی اماں کی ضد پر چاہتا ہوں۔ ورنہ ہاتھ پکڑ کر گھر سے نکال دوں۔ کر سکتا ہوں یہ بھی۔ مگر اماں کا لحاظ ہے۔ میرا احسان مانو۔''

میں اپنی جگہ ساکت ہو گئی۔ احسان، ایک بار پہلے بھی کسی موقع پر انہوں نے مجھ سے شادی کرنے کا احسان جتایا تھا۔ میں اپنی جگہ سے ہلی نہیں۔ تو ایک ٹھوکر لگائی۔ گالی بھی دی۔ میں کھرے کی منڈیر پر بیٹھی تھی۔ بے خبری میں لات کھا کر بے ڈھب گری۔ لوہے کی بالٹی کا کنڈا میری کنپٹی پر

لگا-کان جھنجھنا گیا-شاید چیخ بھی نکلی مگر میں نے آواز دبالی-بچپن سے جس ضبط کی تربیت ملی تھی اس وقت اسی سے کام لیا-ورنہ اماں اور جمیلہ آپا دونوں کو میری تذلیل کا علم ہو جاتا-

بالٹی کا پانی سب میرے اوپر گرا-بمشکل کان دبا کر اٹھی تو چکرا گیا-کچھ دیر اسی کیفیت میں درد برداشت کرتی رہی-پھر اٹھ کر کچن میں آ گئی-کمرے سے جمیلہ آپا کے قہقہے سنتے ہوئے سوچنے لگی-کیا کروں کس سے کہوں-اماں منع کررہی ہیں اور رضوان کو جلدی ہے-کاش گوشی آپا آ جاتیں-جمیلہ آپا صحیح مشورہ نہیں دیں گی-انہیں بھائی عزیز ہوگا-

وقت گزاری کے لیے کھانا پکانا شروع کر دیا-کپڑے ابھی ویسے ہی کچھ دھلے' کچھ بے دھلے پڑے تھے اور میری ہمت نہ تھی کہ انہیں پھیلا دوں-اپنی قسمت پر افسوس کر رہی تھی-میرا کوئی ہمدرد نہ تھا اماں اور گوشی آپا کے سوا-

اماں تو اپنا بھگتان بھگتنے پر مجبور تھیں-گوشی آپا کا خلوص واقعی قابل تعریف تھا-ابا تو شاید بھلا چکے تھے مجھے-یہاں ہوتے تو انہیں پکارتی-وہ بھی خیر خبر لے ہی لیتے-

اماں کا پرہیزی کھانا تیار تھا-وہ جلدی کھا لیتی تھیں-

میں کھانا لے کر گئی تو باہر ہی سے جمیلہ آپا کی آواز کان میں پڑی-

''ہمیں اس نام نہاد شادی سے کیا ملا؟ ہوا کچھ حاصل؟ رضوان کی پسند کی ایک چیز نہیں-جہیز کا سرے سے دھاگا نہ ملا-گھر پلاٹ کچھ تو دیتے خالو-نقد ہی دے دیتے اور نہیں تو امینہ خالہ ایک موٹر سائیکل ہی سلامی میں دے دیتیں-خیر چھوڑیں-لالچ نہیں ہے ہمیں-مگر رضوان کو خوشی تو ملتی-یہ بھی نہیں-اب آئزہ کا جہیز تو ایسا ہوگا کہ آنکھیں پھٹ جائیں گی لوگوں کی-اچھا' اسے بھی چھوڑیں وہ پڑھی لکھی ہے-انگلینڈ میں جا کر پڑھ کر آئی ہے-یہ تو ہماری نسلیں سنوار دے گی-کوٹھی کار ملے گی اور کیا چاہیے-عزت کے لیے تو-''

میں کمرے میں داخل ہوئی تو جمیلہ آپا کی قینچی کی طرح چلتی زبان رک گئی-میں نے کھانا میز پر رکھ کر کہا-

''جمیلہ آپا! آپ کا کھانا یہیں لا دوں-''

''ہاں-ہاں-اپنا بھی لے آؤ-رضوان کا بھی-سب مل کر کھائیں گے-'' ان کا لہجہ شہد آگیں تھا-

میں کھانا لے آئی-مجھے تو بھوک نہ تھی-کپڑے بھی ڈوری پر ڈالنے تھے-میں کچھ جواب دیے بغیر اپنے کمرے میں آ گئی-کنپٹی میں درد ہو رہا تھا-کان سوج گیا تھا-اور گرم آگ ہو رہا تھا-

جمیلہ آپا اور فرخ کے جانے کے بعد میں برتن اٹھانے گئی-تو رضوان اور اماں میں بحث ہو رہی تھی-رضوان کے چہرے پر ناگواری کا تاثر نمایاں تھا-مجھے کھا جانے والی نظروں سے دیکھا-پھر

میرے کان پر نظر جم گئی- سوجن اور سرخی پوشیدہ نہ تھی- اماں میرا دفاع کر رہی تھیں-

"چائے لے کر آؤ-" حکم صادر ہوا-

میں چائے لے کر آئی تو اپنے کمرے میں جا چکے تھے- اف اب پتا نہیں- کیا سننا پڑے گا- زبردستی پکڑ کر دستخط کرا لیے تو؟

"یہ کاغذات رکھے ہیں- غور سے دیکھو- قلم اٹھاؤ اور-"

میں ان سنی کرتے واپسی کے لیے مڑی- انہوں نے میرا دوپٹہ پکڑ کر کھینچا- دوسرا سرا پیچھے تھا- دوپٹہ گلے میں پھندے کی طرح کس گیا- میں لڑکھڑا کر گرنے کو تھی- مگر حلق پر ہاتھ تھا- وہ خود بھی توازن برقرار نہ رکھ سکے- پلنگ پر دھم سے گرے- دوپٹہ ہاتھ سے چھوٹ گیا- میں کھانستی لمبے سانس لیتی اماں کے کمرے میں آ گئی- ابھی تک پھندا ڈھیلا نہیں ہوا تھا مگر- کسا ہوا بھی نہیں تھا- پلنگ پر بیٹھ کر ڈھیلا کیا- حلق اندر سے بالکل خشک اور خوف سے آنکھیں پھٹی پھٹی- موت کتنی قریب تھی- ایک لمحے کی دیر تھی کہ قبر کا اندھیرا.... میری آنکھوں تلے واقعی اندھیرا چھا گیا-

"کیا ہوا- کیا ہوا؟" کہتی ہوئی اماں میرے پاس آ گئیں- پتا نہیں میرے چہرے پر کون سی تحریر پڑھ لی تھی انہوں نے- میرا ہاتھ گلے پر تھا اور کھانسی بھی آ رہی تھی- جواب دینے کے قابل میں رہی نہیں- انہوں نے پانی کا گلاس میرے منہ سے لگا دیا-

"بیٹا! شرمندہ ہوں میں شاید میں نے- انصاف نہیں کیا تمہارے ساتھ- پھر بھی میرا یقین کہتا ہے- تم کو بہت خوشیاں ملیں گی- اتنی کہ تم سمیٹ نہ سکو گی- تم نے اتنا صبر کیا ہے- جس کی ایک تمہاری عمر کی لڑکی سے توقع نہیں کی جا سکتی- میں شاید تمہارا عروج دیکھنے کو زندہ نہ رہوں- مگر مرنے سے پہلے تمہارے لیے کوئی نہ کوئی انتظام ضرور کر کے جاؤں گی-"

کچھ دیر بعد ہی گلے کے اوپر کی خراشیں جلنے لگیں اور اندر سے گلا بند- آواز غائب- اماں نے کچھ دوا لگائی- کلی کروائی- مگر شاید یہ دکھوں کی انتہا تھی- ورنہ اتنی نازک تو میں نہ تھی- روئی کی سنکائی سے اوپر کی خراشوں میں درد ہوا مگر آواز نکل گئی- اماں برابر تاسف سے سر ہلاتی تھیں مگر سوال نہیں کیا-

شام کو ہنستی کھلکھلاتی جمیلہ آپا فرخ کے ساتھ پھر آ گئیں-

"چائے پینے آئے ہیں ہم-"

دونوں رضوان کے کمرے میں چلے گئے- فرخ آ کر اماں کے کمرے میں بیٹھ کر باتیں مٹھارنے لگا- اس کی گندی نظروں سے بچنے کے لیے میں پھر کچن میں گئی- چائے بنانی تھی-

اب یہ چائے دو جگہ بھیجنی کس قدر مشکل کام تھا- اللہ کرے بوا آ جائیں- روز آ ہی جاتی تھیں- فرشتہ رحمت بن کر گوشی آپا آ گئیں- پہلے اماں کے کمرے میں سلام کرنے گئیں- پھر میرے پاس

آ ئیں۔
''یہ خبیث پھر آ گیا؟ تم دھتکارتیں کیوں نہیں اسے۔''
''میں؟ اور جمیلہ آپا کے دیور کو دھتکاروں؟''
''ہاں۔ ایسے لوگوں سے ذرا بھی رعایت گناہ ہے۔ دنیا بھر کا ذلیل غنڈہ۔''
''اچھا اس غنڈے کو چائے تو دے کر آئیں۔''
وہ ہنس پڑیں اور چائے لے گئیں پھر جمیلہ آپا کی چائے بھی لے گئیں' اپنی بھی۔ کمرے سے ہنسی کی آواز آ رہی تھی۔ میں ہی اداس کو اپنی کچن میں اکیلی بیٹھی تھی۔ گوشی آپا کا بھائی انہیں لینے آ گیا۔
گوشی آپا کے میاں کسی کورس کے سلسلے میں تین سال کے لیے کینیڈا گئے ہوئے تھے۔ اس لیے گوشی آپا کا وقت میکے میں زیادہ گزرتا۔ جیسے قدرت نے میری دل دہی کے لیے ہی یہ موقع فراہم کیا تھا۔ گوشی آپا کے بھائی کا نام شیراز تھا۔ رازی پکارا جاتا تھا۔ اس کی نظر میں بڑی عزت اور عقیدت ہوتی تھی۔ مجھے وہ اچٹتی نظر سے دیکھ کر سلام کرتا تھا۔ ایسے لوگ بھی تو ہیں دنیا میں۔ شرافت کا پیکر۔ آنکھوں میں حیا۔ عورت کے لیے احترام۔
''میں کل پھر آؤں گی۔ رضوان کے جانے کے بعد۔'' گوشی آپا نے مجھ سے کہا۔
میں نے جمیلہ آپا سے کہا۔ ''آپ رات کا کھانا کھا کر جائیے گا۔ بھائی جان بھی آ جائیں گے۔''
وہ تو جیسے ریشہ خطمی ہو گئیں۔ مجھے گلے لگا کر بولیں۔
''مجھے یقین ہے کہ تم میرے لیے اچھی اچھی ڈشیں بناؤ گی۔ مگر کاش کہ تم نے رضوان کا خیال کیا ہوتا۔ کیا بہتر نہ ہوتا؟ تمہارے لیے۔ سب خوش ہوتے۔ رضوان بھی اس طرح کونج سے بچھڑی ڈار۔ میرا مطلب ہے ڈار سے بچھڑی کونج کی طرح اکیلا نہ ہوتا۔''
وہ اسی طرح ہنس ہنس کر بات کرتی تھیں۔ میں دم سادھ کر رہ گئی۔ کچھ دن پہلے تک میں ان کی جان جگر' آنکھ کا تارا تھی۔ تب آئزہ کا جہیز کوٹھی کار سامنے نہ تھی۔ اس لیے؟ شاید وہ بھول گئیں۔ وہ جب بھی آتیں۔ میں ان کی خاطر میں بچھ بچھ جاتی۔ ان کے بچوں کو گود میں لادے پھرتی۔ وہ جہاں جاتیں۔ بچے میرے حوالے ہوتے۔ اماں بلکہ ان پر خفا ہوتیں۔
مگر جمیلہ آپا لاپروائی سے ٹال جاتیں۔ انہیں کبھی احساس نہ ہوتا کہ ان کے بچے سارا دن مجھے فرمائشیں کر کر کے عاجز کرتے ہیں۔ طرح طرح کی شرارتیں۔ شور شرابا۔ میں نے کبھی شکایت نہ کی۔ اس گھر میں جو محبت اور عزت ملی تھی۔ اس کے بدلے۔ میں خدمت اور سلوک ہی دے سکتی تھی۔ ان سب کا احسان تھا۔ جو مجھے اتارنا تھا۔
جمیلہ آپا چلی گئیں۔ اماں نے کہا۔
''دن کا سالن رکھا ہے۔ بس چاول پکا لو۔ میں بھی کھا لوں گی اور کچھ کرنے کی ضرورت نہیں۔''

میں چپ چاپ لیٹ گئی- گلے میں پھر درد ہونے لگا تھا- گونی آپا نے سرسری سا سوال کیا تھا کہ میری آواز کو کیا ہوا ہے- میں ٹال گئی- مگر مجھے ان سے دستخط کے بارے میں مشورہ کرنا چاہیے تھا- اماں تو پر امید ہیں اور دستخط کے خلاف- حالانکہ مجھے کیا فرق پڑنا تھا- وہ چار شادیاں کرلیں- میری حیثیت اپنی جگہ قائم رہے گی- قدردانی یا مہربانی اس کی امید رضوان کی طرف سے نہیں ہوگی-

چاول پکانے کچن میں آئی- ساتھ ہی رضوان بھی- پھنکارنے میں ثانی نہ تھا- میری جہالت' غربت' کم مائیگی کا ذکر حالانکہ میں خوب واقف تھی- جتانے سے فائدہ-

''میں اپنی پسند کی خوشحال زندگی کے لیے کیوں ترسوں؟ اپنے معیار کی بیوی کیوں نہ حاصل کروں- تمہارے تو یہاں بہت چاہنے والے ہیں- میرا ساتھی کون ہے؟''

پھر اماں کی چال بازی کا ذکر- ''اپنی کم عقل' بے کردار لڑکی کو میرے سر منڈھ دیا- وہ تو بازی جیت گئیں- میری زندگی جہنم بنا گئیں- اتنا کم حیثیت نہ تھا مگر-

میرے سامنے زبان کیوں چپک جاتی ہے-

دانت پیس پیس کر آدھے گھس گئے ہوں گے- آواز بھی موٹی ہو رہی تھی-''

میں پیٹھ موڑے چاول میں کفگیر چلاتی رہی اور جب چاول کا پانی نکالنے کے لیے دیگچی اٹھائی تھی- اس وقت پھر بے خبری میں دھکا لگا- میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ رضوان بغیر کچھ کہے اس طرح حملہ کریں گے- نتیجہ- چاول کی پتیلی پوری کی پوری میرے پیر پر گری- آگ' آگ کی طرح پیر جھلسا تھا' چیخ بھی نکلی- پھر میں ادھر سے ادھر ناچتی پیر جھٹکتی پھر رہی تھی- اذیت سی اذیت تھی- سچ ہے کہ ماں نے مجھے بارہا گرم چمچے سے جلایا تھا- چمٹا جلا کر چر کے لگائے تھے- چھڑی سے زخم بنائے تھے- میں نے بہت کچھ برداشت کیا- مگر وہ سزائیں میرے علم میں لا کر دی تھیں- سامنے سے- پیچھے سے وار کرنے والے بزدل ہی نہیں کمینے بھی ہوتے ہیں-

''اگر آج دستخط نہ کیے- تو چولہے میں جلا دوں گا- مر بھی سکتی ہو- سمجھیں؟''

میں نیچے بیٹھ کر پنجے سے بچے کھچے چاول صاف کرنے لگی- نیل گھول کر لگایا- اب پتا چلا- عورتیں کیوں جلائی جاتی ہیں- بزدل کمینے شوہر ہی ایسی حرکت کرتے ہیں-

مگر میں کیوں جلوں- کب تک اذیت اٹھاؤں- میرا کوئی نہیں ہے- خدا تو ہے- اب تک خدا ہی مددگار رہا- ورنہ- اف! بہت تکلیف تھی- شاید میں آرام طلب' تن آسان ہوگئی تھی- کافی دیر کے بعد لنگڑاتی ہوئی رضوان کے کمرے میں گئی اور سامنے پڑے کاغذوں پر بغیر پڑھے دستخط کر آئی اور اماں کے پاس آکر پڑ گئی- انہیں بھی خوشخبری سنا دی- ساتھ ہی چاولوں کے گرنے کی-

رضوان بغیر کھائے چلے گئے- ہم نے ڈبل روٹی سے کام چلا لیا- رات بھر میں ہائے ہائے کرتی

اور پیر پٹختی رہی - اماں نے کچھ دوائیں لگا دی تھیں - ان سے سکون تو ہوا - مگر شاید دلی اذیت زیادہ تھی کہ منہ سے ہائے ہائے نکلتی رہی -

گوشی آپا حسبِ وعدہ آ گئیں - پیر کے آبلے دیکھے - سوالات کیے - میں نے گردن کی خراشیں دکھائیں اور ساری بات بتا دی - وہ کچھ دیر چپ رہیں - پھر لمبا سانس لے کر بولیں -

"اچھا کیا - مگر بہتر تھا، تم علیحدگی مانگ لیتیں - جو کام اسے کچھ عرصے بعد کرنا ہے - تم خود کیوں نہ کرو - اپنی زبان سے مانگو اپنا حق -"

"گوشی آپا! آپ یہ کیا کہہ رہی ہیں؟" میرے کاٹو تو لہو نہیں بدن میں والا معاملہ -

"صحیح کہہ رہی ہوں - ان حضرت کو تمہاری قدر ہے نہ فکر - سخت خود غرض انسان ہے -"

"مجھے - اپنی تو فکر ہے -" میں رونے لگی - "بے بسی میں کہاں جاؤں گی -"

"کیوں - جو اس کا خدا ہے - کیا تمہارا نہیں -" وہ مشتعل ہو گئیں - "اسے عیاشی کی اجازت - تمہیں قید کیوں؟ اب آئے تو مجھے بلا لینا - دماغ درست کر دوں گی -"

مگر میں ایسا سوچ بھی نہیں سکتی تھی - چھالے ٹھیک ہو گئے، اماں کی محبت دو چند ہو گئی - دودھ ملائی کھلا کھلا کر میرا وزن بڑھا دیا -

☆☆

اس روز میں صحن میں کھڑی تھی کہ اپنی جگہ ساکت بلکہ منجمد ہو گئی ماں چلی آ رہی تھیں - میں بے اختیار دو قدم آگے بڑھی - وہ کنی کترا کر ماں کی طرف ہو لیں - میں متوقع نظروں سے دروازے کی طرف دیکھنے لگی - "ابا، ابا کہاں ہیں -"

ماں نے خط نکال کر دیا - ابا کا خط - بے شمار تحائف میرے لیے بھیجے تھے - رضوان کے لیے بھی امریکن ڈالر تھے کہ وہ کار خرید لیں - اماں اور جمیلہ آپا، یہاں تک کہ ان کے میاں اور بچوں کے بھی کپڑے اور دیگر تحفے - ماں خط دے کر جیسے مطمئن ہو گئیں اماں سے یوں لپک جھپک گفتگو ہونے لگی جیسے اسی مقصد کے لیے آئی ہوں -

"ارے میرے بیٹا رضوان کہاں ہے؟" بڑی لگاوٹ سے سوال کیا -

اماں نے دورے کا بہانا بنایا - اماں بہن سے خوش نہ تھیں -

"خوش ہو؟" یہ سوال میری ماں مجھ سے کر رہی تھی - جواب بھی خود ہی دیا - "ارے ہاں تو خوش کیسے نہ ہو گی - کوئی ایسا ویسا تو نہیں ہے میرا رضو - ارے میں نے مخمل میں ٹاٹ کا پیوند لگایا ہے - قدر کر میری بھی اور سسرال کی بھی -" پھر وہ اسی رو میں اماں سے مخاطب ہو گئیں - "ارے آپا! اس کے بال بچہ کیوں نہیں ہوا ابھی تک - علاج کراؤ - کہیں بانجھ تو نہیں ہے - تمہارا ایک ہی بیٹا ہے - نسل کیسے بڑھے گی -"

"خدا نہ کرے بانجھ کیوں ہوتی۔" اماں بگڑ گئیں۔ "اپنی بھی خبر ہے؟ بیس برس میں چوہے کا بچہ تک پیدا نہ کر سکیں۔ تمہارے میاں کو بیٹے کی آرزو تھی اور ایسا تم نے چکر چلایا کہ وہ دوسری شادی کا بھی نہ سوچ سکے۔"

واہ کیا تاک کے تیر مارے تھے اماں نے۔ میرا دل باغ باغ بلکہ گلزار ہو گیا۔ ماں بغلیں جھانکنے لگیں۔ غصہ اتارا مجھ ناتواں پر۔

"چل ادھر سے۔ دفع ہو کمینی۔ کن سوئیاں لینے کی عادت نہ گئی۔ آپا! اسے کم نہ سمجھنا۔ اس نے میرا گھر اجاڑنے کی پوری کوشش کی تھی۔ ادھر کی ادھر لگانے میں، جھگڑا کرانے میں تیز بہت ہے۔ اسی وجہ سے میں اس کے باپ کو لے کر دور چلی گئی۔ چار چوٹ کی مار دو اسے۔ تب دماغ درست ہو گا۔"

اماں ایک دم سرخ پڑ گئیں۔ "دماغ تو تمہارا جگہ سے کھسک گیا ہے۔" وہ تیز آواز میں چیخیں۔ "میری بہو سے بات کرتے ہوئے ذرا تمیز سیکھ کر آؤ۔ تم کو کس نے یہ حق دیا ہے کہ اس بیہودہ لہجے میں بات کرو۔ پتہ نہیں کس گھٹیا گود میں پرورش پائی ہے تم نے۔ جس نے بات کرنے کی تمیز نہیں سکھائی۔ اب تو بڑھاپا آ گیا تمہارا۔ مگر تم کتے کی دم کی طرح ٹیڑھی کی ٹیڑھی رہیں۔ خبردار، یہ ایک شریف باپ کی بیٹی اور شریف گھر کی بہو ہے۔ تمہاری ہمت کیسے ہوئی اس سے مخاطب ہونے کی۔ یاد رکھو کہ تم عزت نہیں کرو گی۔ تو لوگ بھی تھتکاریں گے۔ میرے گھر میں منہ بند ہی رکھنا۔ ورنہ ایک کی دس سنو گی۔"

آہ، کیا بات تھی۔ اماں کی آواز۔ شعلے برساتا لہجہ۔ میری حمایت میں۔ عزت سکھاتا گرجتا برستا لہجہ۔ اس کے بعد ماں کی کھسیانی حیران صورت۔ برسوں کی لگی آگ پر ٹھنڈی پھوار برس رہی تھی۔ میں تو جیسے بلند ہو گئی تھی۔ سرشار ہو رہی تھی۔ روح کے سارے زخم صاف ہو گئے۔

"ارے واہ۔ میری بیٹی ہے۔" ماں بہت زیادہ کھسیانی ہو رہی تھیں۔

"بیٹی کا نام ہی سنا ہے تم نے۔ دیکھا نہیں کہ کیسی ہوتی ہے۔ اس بیٹی کے جسم پر تمہارے ہاتھوں نے زخم لگائے۔ جلایا اور نہ جانے کتنے زخم اس کی روح پر لگائے ہوں گے، اس کی سہمی صورت اور گھبرایا ہوا چہرہ میں کبھی بھول نہیں سکتی۔ بیٹیوں کے ساتھ ایسا سلوک ڈائنیں کر سکتی ہیں۔ عورت نہیں۔ خدا کا خوف تم کو نہ تھا۔ تو دنیا سے ہی ڈرتیں۔ تم سمجھتی تھیں، جیسے اس کے باپ کو الو بنایا ہے سب کو بنا لو گی۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے۔ خدا پوچھے گا تم سے اپنے، تمہارے ایک ایک ظلم کا حساب لے گا۔ معصوم بے گناہ بچی کے ساتھ جو سلوک تمہارا تھا اس کی جواب دہی کے لیے تیار رہو۔ وقت نزدیک ہے۔ توبہ ہی کر لو۔ شاید دردناک انجام سے بچا لے۔"

اماں کا غصہ کم نہیں ہو رہا تھا اور ماں کو جان بچانے کے لیے بھاگنا پڑا۔ "ضروری ملنا ہے۔" کہہ

کر نہ جانے کس کے گھر چلی گئیں۔
میں نے ابا کا خط اماں کو دے دیا۔ (لگے ہاتھوں یہ معاملہ بھی صاف ہو جائے) ماں رات کو آئیں تو اماں نے جواب طلبی کی۔
"کدھر ہیں امریکن ڈالر؟ رضوان کے لیے بھیجے ہیں۔ تمہیں آتے ہی دینا چاہیے تھے۔ امانت تھی اور وہ تحفے۔"
ماں کا خیال تھا۔ میں ساس کو خط نہیں دکھاؤں گی۔ اوپر کا سانس اوپر نیچے کا نیچے۔ صبح کیا کم لفضیتے سن چکی تھیں۔ رنگ اڑ گیا۔
"ڈالر چوری ہو گئے۔ تحائف کا بکس ایئرپورٹ پر گم ہو گیا۔"
یہ جواب سن کر اماں آپے سے باہر ہو گئیں۔ کمزور ہو گئی تھیں۔ غصے کی برداشت نہیں رہی تھی۔
"اری امینہ! ذرا سامنے آ کر بات کر۔ میں تو تجھے صرف بدتمیز اور کمینہ سمجھتی تھی۔ تو تو ڈاکو ہے۔ وہ بھی امانت میں خیانت کرنے والی۔ اللہ تعالیٰ نے بھی ایسے لوگوں پر لعنت بھیجی ہے۔ تف ہے تجھ پر' حق غصب کرنے والی۔ ظالم۔ بیٹی کے مال کو ہضم کرنے والی۔ ارے اور کون کون سی خوبیاں ہیں تیرے پاس۔ دکھا مجھے' بتا۔ برسوں سے ہماری رشتے داری ہے اور میں نے تجھے آج پہچانا۔ تو ننگ خاندان ہے۔ توبہ' توبہ میں تو شکرانے کے نفل پڑھوں گی کہ تیرے پاس سے میری بہو جان بچا کر میرے پاس آ گئی۔ ورنہ تو قاتل بھی ہو سکتی تھی۔"
اماں کا غیض و غضب انتہا پر تھا۔ ستم یہ ہوا کہ گوشی آپا بھی ساتھ آ گئی تھیں اور بوا بھی موجود۔ ادھر ماں نے اپنا بکس اٹھا کر دروازہ پار کیا' ادھر گوشی آپا کا قہقہہ بلند ہوا۔ اماں بے چاری گھبرا گئیں پھر افسوس کرنے لگیں۔
"ہائے کیا ہو گیا تھا مجھے۔ مہمان کو ذلیل کیا۔ کچھ لحاظ نہ کیا۔ توبہ توبہ اللہ معاف کرے مجھے۔"
گوشی آپا نے بتایا کہ ان کے گھر جا کر ماں نے اماں کے مجھ پر ظلم ڈھانے اور ابا کے بھیجے ہوئے تحائف اپنے قبضے میں دبانے کے قصے سنائے۔ غرضیکہ ماں بے چاری کی داستان تو پورے خاندان میں مشہور ہوئی اور میرا تو دل فضا میں قلقاریاں مارتا اچھل رہا تھا۔ بادلوں کے ساتھ پرواز کر رہا تھا۔ مری روح ہلکی پھلکی تھی اور اب مجھے کوئی شکوہ نہ تھا۔ البتہ میں جو کبھی سوچا کرتی تھی کہ ابا کے پاس چلی جاؤں گی۔ ابا کوئی ترکیب مجھے پاس رکھنے کی کریں گے' اب اس کی امید نہ رہی کہ بھوکی شیرنی کا لقمہ بننا مجھے منظور نہ تھا۔
مجھے اپنی ساس اتنی عزیز ہو گئیں کہ شاید میری اپنی سگی ماں بھی نہ ہوتی۔

☆☆

رضوان کی شادی کی خبر گوشی آپا نے دی۔ یہ بھی کہ جمیلہ آپا خود بارات لے کر گئی تھیں۔ ان کے

میاں نہیں گئے تھے- کیونکہ اماں سے پوشیدہ شادی پر وہ بھی خفا تھے- میں کچھ دیر کے لیے سناٹے میں گھر گئی- کتنی غیر محفوظ تھی میں- اماں کا دم غنیمت تھا- فرخ کی آمد بڑھ گئی تھی- اب وہ صبح بھی آ جاتا- دواؤں کے بہانے- رضوان کی شادی نے میرا کیا بگڑا- اب پتا چلا- خاندان محلے والے جو اصل راز سے واقف نہ تھے اب واقف ہو گئے- یعنی میرے اور رضوان کے تعلق سے- جمیلہ آپا کے میاں بھی مجھ پر مہربان ہو گئے تھے- مذاق فرماتے- مجھ سے کہتے-

"ہنسو- باتیں کرو- خوش رہا کرو- ہنستی ہوئی اچھی لگتی ہو-"

ان کی لگاوٹ بھی پاک جذبے کے تحت نہ تھی- اف میں کیا کروں- اس ایک شخص نے مجھے کھلے آسمان تلے لا کھڑا کیا- بجلی گرے یا طوفان برسے- دھوپ جلائے- یا گدھ منڈلائیں- وہ اپنی خوشیوں کے جشن میں مگن ہو گا- بے رحم-

☆☆

اور اب جبکہ اس بات کو اس وقت کو برسوں گزر چکے ہیں- میں حیران ہوتی ہوں- میری زندگی بھی کیسے طوفانوں سے گزری تھی- میں بہت چاہتی ہوں بھول جاؤں- ان دہشت ناک راتوں کو اور خوفناک دنوں کو- برے دن ذہن کے پردے سے ہٹنے کا نام نہیں لیتے- پہلے پہل تو' ہر لمحہ ہر منٹ ان واقعات سے ڈرتی رہی- پھر خوشیوں کا ریلا آیا اور بہا لے گیا مرے سارے خدشے- کبھی کبھی تنہائی میں سوچا کرتی- کیوں ہوا ایسا میرے ساتھ- ایسا تو نہیں ہوتا- مگر میں نے کسی شکوے گلے کے بنا ہر دکھ سہا- یہ کام اس طرح الٹ پھیر کے بجائے- سیدھے راستے سے ہوتا یا کچھ بھی نہ ہوتا-

اب تو میں اپنے عالی شان گھر میں نوکروں کی قطار کے ساتھ- اپنے چار بچوں کو سمیٹے- دنیا جہان کی مسرتوں کے حصار میں- شوہر کی بے پایاں چاہت لیے ہوئے- بے حد مصروف زندگی گزار رہی ہوں- بچوں کی معصوم سی حرکتیں- چھوٹی چھوٹی باتیں ان کی قلقاریاں ساری سوچوں کو- منفی سوچوں کو اڑا لے جاتیں-

اور وہ جو میرا شریک حیات ہے- زندگی کا حاصل ہے- وہ مجھے کچھ سوچنے کی مہلت ہی کب دیتا ہے- پارٹیاں' دعوتیں اور رشتے داروں سے راہ رسم- بچوں کے مسائل- اسے تو ہر بات کا خیال رہتا ہے- وہ مجھے اداس یا فکر مند دیکھ ہی نہیں سکتا-

ٹھہریے- ابھی بتاتی ہوں-

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میں تنہا تھی اور ہر سمت اندھیرے لپک رہے تھے- تنہائی تو ازل سے میری ہم سفر ہے- مگر کچھ دن اماں کی پناہ نے بڑا حوصلہ دیا تھا مجھے- انہیں جب رضوان کی شادی کی خبر ملی- وہ تڑپ گئیں- انہوں نے میرے آگے ہاتھ جوڑ دیے-

"میری بچی! میں تیری قصوروار ہوں- دیکھ بیٹی جب بھی تجھے کوئی دکھ پہنچے- تجھے خدا کا واسطہ- رضوان کو بددعا نہ دینا- وہ میرا اکلوتا بیٹا ہے- اسے بددعا نہ دینا- دکھے دل کی دعا عرش تک پہنچتی ہے اور بددعا عرش کے کنگورے ہلا دیتی ہے- جو کبھی نہیں خالی جاتی- بس اگر کبھی تمہیں مجھ بدنصیب سے کوئی سکھ ملا ہو- اس کے صدقے میں- میری التجا یاد رکھنا-"

اماں بے حد مضطرب تھیں- میں حیرت سے انہیں دیکھتی رہ گئی- وہ سارا دن روتی رہیں- میں تسلیاں دیتی رہی مگر جانے کیسی بے قراری تھی انہیں کہ آنسو لکیروں کی صورت ان کے چہرے پر بہتے رہے- بیٹے کی بددیانتی نے انہیں بے یقین کر دیا تھا- صبح وہ نہیں اٹھیں- نہ جانے کس وقت زندگی سے ناتا ٹوٹ گیا- میں انہیں ہلا جلا کر اٹھانے کی کوشش کر رہی تھی- بوا نے آ کر دیکھا اور مجھے وہاں سے ہٹا دیا-

وہ جمیلہ آپا کو فون کرنے گئیں تو ایک ڈاکٹر کو بھی لے آئیں- موت کی تصدیق تک میں ناامید نہ ہوئی تھی- مگر اب بدحواس ہو کر چیخنے لگی- محلے والے آ گئے- گوشی آپا کے گھر والے بھی فوراً آ گئے- جمیلہ آپا چیخیں مارتی آئیں اور آتے ہی مجھے دوہتڑوں سے مارنا شروع کر دیا-

میں سمجھی نہیں- جب انہوں نے محلے والوں کے سامنے میرا نام لے لے کر فریاد شروع کی تو میں سمجھی- وہ اپنی ماں کی موت کا ذمہ دار مجھے ٹھہرا رہی تھیں-

"یہ اگر رات کو ہی مجھے بلا لیتی- میں کچھ تو کرتی- ہائے میری ماں کے دشمن گھر میں موجود تھے اور میں بےفکر رہی-"

اچانک میرا دل مضبوط ہو گیا- آنسو رک گئے- میں اٹھ کر دوسری طرف چلی گئی- اب میرا وہاں کیا تھا- گوشی آپا' ان کی امی اور کئی پڑوسنیں جمیلہ آپا کو برا بھلا کہنے سے روکنے اور انہیں حوصلہ رکھنے کی تلقین کرتی رہیں- سب میری حمایت کر رہی تھیں- بوا نے گواہی دی-

"چھوٹی بی بی نے کھانا کھلا کر ساری دوائیں پلا دی تھیں- بی بی موت کا بہانا ہوتا ہے- چھوٹی بی بی نے تو ایسی خدمت کی کہ اس کی مثال کوئی اپنی بیٹی بھی نہیں دے سکتی اور جمیلہ بی بی! آپ نے کب اپنی ماں کا خیال' خدمت کی- یہ تو بہو ہی تھی- جس نے دن کو دن سمجھا نہ رات کو رات- ہم تو اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہتے تھے-"

شام تک رضوان معہ نئی نویلی دلہن کے آ گئے- جمیلہ آپا کی خواہش تھی کہ ان کی دلہن بھابھی کی خدمت کے لیے کچن میں موجود رہوں- مگر میں اب نڈر تھی- گوشی آپا نے رضوان کو بھی شرمندہ کیا-

"کون سا موقعہ تھا دلہن کی رونمائی کا- جو لوگ افسوس کے لیے جمع ہوئے- سب تمہاری دیدہ دلیری پر انگشت بدنداں ہیں- تمہارا یہ اقدام ہی خالہ کی موت کا سبب سمجھ رہے ہیں- ذرا سا ظرف

ہوتا تو کچھ دن اوراس خبر کو چھپا لیتے۔"
خالہ جان جمیلہ آپا کے پیچھے پڑ گئیں۔ انہیں اس موقع پر بھابھی کی خاطر داری' آرام کا زیادہ خیال آ رہا تھا۔ بہ نسبت افسوس کے۔ سب اپنی اپنی رائے دے رہے تھے۔ جو سو فیصد میرے حق میں تھی۔ مگر بیکار۔
دلہن کو تو اگلے دن ہی روانہ کر دیا گیا۔ رضوان چار دن بعد گئے۔ چھٹی نہیں تھی۔ جمیلہ آپا دل کی بھڑاس نکال چکی تھیں۔ پھر مجھ سے شیر و شکر ہو گئیں۔
مہینہ بھر رہ کر چلی گئیں۔
بوا اب رات دن میرے پاس رہنے لگیں۔ فرخ نے پیچھا نہ چھوڑا۔ بوا نے اسے دوٹوک کہا کہ وہ جمیلہ کے ساتھ آیا کرے۔ یا ان کی موجودگی میں۔ مگر فرخ نے ڈھٹائی اختیار کر لی۔ بوا نے ایک دن کہا۔
"میں رضوان میاں سے تمہاری شکایت کروں گی۔"
تو وہ تمسخرانہ ہنسنے لگے۔ عجب اڑیل ٹٹو تھا۔
ایک دن بوا کی غیر موجودگی میں آیا۔ میں نے دروازہ نہیں کھولا۔ حماقت یہ کی کہ کہہ دیا "بوا نہیں ہیں آپ بعد میں آئیں۔"
وہ تو دروازہ توڑنے کے درپے تھا۔ صحن میں ایک دروازہ تھا جو پچھلی گلی میں کھلتا تھا۔ میں نے وہ کھولا اور گلی میں سامنے جو گھر تھا۔ وہاں گھس گئی۔ یہ زرینہ کا گھر تھا۔ میرا اس سے زیادہ میل جول نہ تھا۔ مگر اسے مجبوری بتانی پڑی۔ وہ میرے ساتھ آ گئی۔ زور زور سے باتیں کرنے لگی۔ فرخ چلا گیا۔
"تم اپنے میاں سے کہو۔ تمہارا کوئی انتظام کرے۔ دنیا بہت خراب ہے۔ رضوان کو احساس دلاؤ۔ جمیلہ کے میاں سے اس کے بھائی کی شکایت کرو۔"
"لو ان کی نظریں تو پہلے ہی بدل گئی تھیں اور میں ان سے بے رخی برتنے لگی تھی۔"
بوا کے آنے کے بعد وہ چلی گئی۔ اپنے تعاون کا یقین دلا کر۔
"بوا کہیں چلی جائیں تو مجھے بلا لیا کرو۔ میں درست کر دوں گی اسے۔"
کتنا خوفناک زمانہ تھا وہ۔ راتوں کی نیند اڑ گئی تھی میری۔ خواب بھی ایسے دہشت ناک آتے کہ چیخ مار کر اٹھ جاتی۔ گوشی آپا سسرال گئی ہوئی تھیں۔ انہوں نے میرے لیے کچھ تحائف بھیجے۔ ان کا بھائی خود لا کر دے گیا۔ کس قدر شائستہ اور شریفانہ انداز تھے۔ میری طرف نظر اٹھا کر دیکھا تک نہیں۔ بوا نے بھی تعریف کی۔ اور فرخ سے مقابلہ۔ مجھے ہنسی آ گئی۔
گوشی آپا کتنی مخلص تھیں۔ انہیں میرا کتنا خیال تھا۔ اس خود غرض دنیا میں کچھ لوگ۔ میرے ہمدرد

بھی تھے-
سات ماہ یوں گزرے جیسے ہر دم انگاروں پر چل رہی تھی- سکون اور چین اماں کے ساتھ جا سوئے-
ابا کو اپنی حالت زار کا لکھ کر ان سے واپس آنے کی التجا کی- وہاں سے جواب میں ابا کے دوست کا لمبا خط آیا- ہائے اللہ میں ابا کی شفقت کے سائے سے محروم ہو چکی تھی- ابا کے دوست نے ان کی بیماری کا حال لکھا- تاں کی چلتر بازی- وہ ابا کو بیمار چھوڑ کر آئی تھیں اور پھر واپس نہ گئیں- ابا کا سارا روپیہ سمیٹ لائیں- اب وہاں گھر میں ساز و سامان تو تھا- کوئی ذی روح نہ تھا- ابا پیارے ابا- ایسے پردیس گئے کہ واپس آنا بھول گئے- ماں کو پتا ہوگا- مگر مجھے اطلاع دینے کی ضرورت نہ سمجھی- وہ اماں کے انتقال پر بھی نہیں آئی تھیں- لگتا تھا یہی گھر میرا قید خانہ ہے- زندگی یہیں گزرنی تھی- یونہی ڈر ڈر کر-
میں روتی تو بوا آنسو پونچھتیں- میں کیسی بے آسرا تھی-
پھر میری زندگی کا وہ تاریک ترین دن طلوع ہوا- دن تو عام دنوں کا سا تھا- مگر شام- شام غریباں سی- رضوان نے قدم رنجہ فرمایا تھا- سات ماہ بعد ان کی آمد بے مقصد نہیں ہو سکتی تھی- میرا دل کسی خدشے سے کانپ گیا- میرے آگے آ کر ایک لفافہ بڑھایا-
"یہ کیا ہے؟" میں ہکلائی-
"خود دیکھ لو- پڑھ لو- طلاق نامہ ہے-" میں اپنی کیفیت خود نہیں بتا سکتی- شاید سکتہ ہو گیا تھا- یا دل کی دھڑکن رک گئی تھی-
"اتنا پڑھنا تو آتا ہوگا- دیکھ لو- تمہارے کردار پر الزام نہیں لگایا- ایسا کر سکتا تھا- مگر پھر اماں کی تم سے محبت کے صدقے میں- ایسا نہیں کر سکا- ترس آ گیا تمہارے تو ابا بھی زندہ نہیں- بالکل اکیلی ہو- جاؤ خالہ امینہ کے پاس- بہت چاہنے والی ہیں وہ- ان کا دامن تھامو- میں جمیلہ کی طرف جا رہا ہوں- تم جہاں چاہو چلی جاؤ اور جو چاہو یہاں سے لے جاؤ-"
وہ مجھے دلدل میں دھکا دے کر خود پہاڑوں کی بلندی پر روانہ ہو گئے جہاں ان کی خوشیاں تھیں- محبت اور زندگی تھی- یہاں میرے سامنے اندھیرا اور گہرا ہو چلا تھا- بوا آئیں تو میں ان کے کندھے پر سر رکھ کر حلق پھاڑ کر روئی تھی- یہی تھا میرے بس میں-
ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہیں دے رہا تھا- میرے چاروں جانب طوفان امڈ رہا تھا- زبردست طوفان- ہزاروں بلائیں میرے آس پاس چیختی چلاتی چنگھاڑتی گھوم رہی تھیں- میں اکیلی تھی اور رو رہی تھی- کیوں نہ روتی کسی کا ہاتھ میرے سر پر نہ تھا- کسی نام کا فخر ساتھ نہ تھا- کوئی بڑھ کر تھامنے والا نہ تھا- میں گھٹنوں کے بل زمین پر ڈھتی چلی گئی- انسان کتنا ناشکرا ہے- جلدی ہمت ہارنا اور مایوس ہونا-

اور خدا کی نعمتوں کو بھلا دینا۔

جب مایوسی میں مرنے کو تھی۔ بوا نے فرشتہ رحمت بن کر مجھے حوصلہ دیا۔ واقعی گرتوں کو اٹھانے والی طاقت تو کوئی اور تھی۔ اس نے ہی مجھے اٹھایا تھا۔ بوا مجھ سے مخاطب تھیں۔

"سنو بی بی! رونے کو تو عمر پڑی ہے۔ شام ہو چکی ہے۔ رات سر پر کھڑی ہے۔ رات بھی اندھیری ہے۔ تم اب کسی کی عزت نہیں ہو کہ کوئی لحاظ کرے گا۔ یہاں سے ابھی نکل چلو۔ ورنہ الزام لگانے والے نہ جانے کیا کیا کر ڈالیں۔"

میرے پیروں سے جان نکل چکی تھی۔ ذہن کچھ سوچنے سے عاری تھا۔ بوا نے کچھ کپڑے اور دیگر سامان بیگ میں ٹھونسا اور میرا ہاتھ تھامے دہلیز پار کر گئیں۔

"کہاں؟ بوا کہاں؟" میں لڑکھڑاتی زبان میں پوچھتی رہی۔

وہاں جہاں چار لوگ گواہی دینے والے ہوں کہ رات تم نے وہاں گزاری۔" میں نیم مدہوشی میں تھی۔ کہاں لے گئیں بوا۔ آوازوں سے اندازہ نہ ہوا۔ پھر ایک لمبی نیند تھی اور حواس غائب۔ بارے صبح خوش رنگ۔ خوش جمال تھی۔

یہ گوشی آپا کا گھر تھا۔ اور دوپہر تک گوشی آپا بھی پہنچ گئیں۔ رشتے دار آتے۔ رضوان کو تیروں کا نشانہ بناتے۔ مجھ سے ہمدردی کرتے۔

گوشی آپا کی ذات سے میرے تپتے دل کو سکون ملا۔ انہیں اب تک ابا کی وفات کی خبر نہ تھی۔ میں نئے سرے سے روئی۔ اب نہ جانے یہاں کتنا رہنا تھا۔ جمیلہ آپا آ کر ہمدردی جتا گئیں اور بس۔

"اماں نے مجھے تسلی دی تھی کہ مرنے سے پہلے وہ میرا انتظام کر کے جائیں گی۔ کیا کیا انہوں نے؟" میں ہچکیوں کے ساتھ رو رو کر خالہ جان سے شکوہ کر بیٹھی۔

"انہوں نے غلط دعویٰ نہیں کیا تھا۔ بیٹی! انتظام کر گئی ہیں وہ۔ فکر نہ کرو۔ اب رونا دھونا چھوڑو اور خوش ہو کہ آزادی مل گئی۔ آسانی سے اور جلد۔"

میں رونا دھونا بھول گئی۔ ان کے چہرے پر پراسرار مسکراہٹ تھی۔

"مگر۔ اب میں کہاں جاؤں گی۔" ان کی مسکراہٹ سے ٹپٹا کر میں نے کہا۔

"ہائے معصوم۔" گوشی آپا نے مجھے لپٹا لیا۔ "یہاں تکلیف ہے کوئی؟ ہم کیا کاٹتے ہیں تمہیں؟ شکریہ ادا کرو۔ کورنش بجا لاؤ۔ مگر ٹھہر جاؤ۔ رازی آ جائے تو تمہیں کورنش اور تسلیمات سکھائے گا۔ اسے بڑا شوق ہے۔ جھک جھک کر سات سلام کرنے کا۔"

گوشی آپا سراسر مذاق کر رہی تھیں۔ میں ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگی۔ یہ لوگ میری بے بسی کا اثر کیوں نہیں لے رہے۔ گوشی آپا ہی نہیں۔ ان کی دونوں بہنیں اور بلکہ خالہ جان بھی مجھے ہنسانے کے لیے عجیب مضحکہ خیز حرکتیں اور باتیں کرتیں۔

یہاں تک کہ ایک دن رازی بھی آ گیا بلکہ آ گئے اس وقت پانچ ماہ گزر چکے تھے اور میں کچھ بے فکر بھی ہو گئی تھی- رازی گاتے، گنگناتے، مسکراتے آئے تھے- دلچسپ اور حاضر جواب-

پھر خالہ جان نے مجھے اماں کا خط دکھایا- جس میں انہوں نے میرے انتظام کے لیے خالہ جان کو آمادہ کرنے کی کوشش کی تھی اور خالہ جان نے بھی آمادگی کے ساتھ عہد کیا تھا-

تو اس طرح میرا نکاح رازی سے ہوا- اماں ؒ نے خود درخواست کی تھی خالہ جان سے کہ ان کی موت کے بعد- اگر رضوان کوئی ایسی ویسی حرکت کرے تو وہ مجھے اپنی بہو بنا لیں- شادی خاصی دھوم دھام سے کی خالہ جان نے- ان کا اکلوتا بیٹا تھا اور وہ لوگ خاصے خوش حال بھی تھے- پھر میں ان کے بیٹے کی پسند' ان کی بیٹیوں کی خواہش تھی-

رازی کو ان کی آئیڈیل مل گئی تھی ان کی مسرتوں کا ٹھکانا نہ تھا- وہ گوشی آپا کی شادی پر پہلی بار مجھے دیکھ کر فریفتہ ہو گئے تھے اور عہد کیا تھا کہ اس لڑکی کو حاصل کرنا ہے- مگر جب معلوم ہوا تو ان کے جذبات پر اوس گر گئی-

پھر انہوں نے دامن بچا لیا- اور جب انہیں خبر ملی- میں ان کے گھر میں موجود ہوں- آزاد- تب انہوں نے جشن منایا-

شادی کے چند دن بعد ہی ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا-

"بڑے بدقسمت ہیں رضوان بھائی- جو تمہاری قدر نہ کر سکے- لگتا ہے کہ وہ اندھے ہو جاتے تھے گھر آ کر-"

رازی تو واقعی میرے عاشق تھے- میں شکر ادا کرتے نہ تھکتی- گوشی آپا نے مجھے پڑھنا لکھنا سکھایا- ٹیوٹر رکھی گئی- رازی اعلیٰ پوسٹ پر تھے- پوزیشن تھی- ویسے بھی ہر جگہ ہر دل عزیز تھے- انہوں نے میرا اعتماد بحال کیا- انہیں میری جہالت' کم علمی سے کبھی شرم نہ آئی- ہر جگہ لے گئے- سیر تفریح- کہیں کمی نہ کی- یہاں تک کہ سوئٹزر لینڈ لے گئے- انہیں سرکاری وفد کے ساتھ جانا تھا- مجھے ذاتی خرچ پر لے گئے- میں جو تصور نہیں کر سکتی تھی- انہوں نے اس تک رسائی دلوائی- بغیر منہ سے کہے ہر ضرورت پوری کی-

اف میری آسائشیں- کہاں تک بیان کروں- میں خوابوں کے جزیرے میں حکمرانی کر رہی تھی- جہاں صرف خوشیاں تھیں- رنگ رنگ کے پھول تھے- تتلیاں اور خوش آواز پرندے- گنگناتے جھرنے اور نہ جانے کیا کچھ-

میں خوشیوں سے لبالب بھری ہوئی تھی اور اب میری کوئی خواہش باقی نہ رہی تھی- محبوب شریک زندگی- پیارے پیارے بچے- آسائشیں' آرام- میرے عروج کی کوئی حد تھی؟ خوشیاں میرے گرد- میرے اطراف میں رقص کرتی تھیں اور دکھنا چاہیے؟

☆☆

اور یہ اس دن کا واقعہ ہے۔ جب میں ڈاکٹر ثروت کے کلینک گئی تھی۔ یوں تو میں ڈرائیور کے ساتھ اکیلی ہی چلی جاتی تھی۔ بلکہ اب تو میں ڈرائیو بھی کر لیتی تھی۔ لیکن اس دن رازی گھر پر تھے۔ بچے ان کے گلے کا ہار ہو رہے تھے۔ وہ انہیں سیر کرانے جانے لگے تو میں نے یاد دلایا۔

''آج میں نے ثروت سے ٹائم لیا ہوا ہے۔''

چنانچہ وہ انہیں لے کر کلینک کے باہر کھڑے ہو گئے۔ میں اندر چلی گئی۔ معہ اپنی نٹ کھٹ معطر کے ساتھ۔ میرے بچوں کے شوق بھی عجیب ہیں۔ انہیں سڑک کی سیر بھی مرغوب ہے۔

ڈاکٹر کے پاس ایک خاتون پہلے سے بیٹھی تھیں۔ وہ پردے کے پیچھے سے ابھی معائنہ کرا کر آئی تھیں۔ ڈاکٹر انہیں کچھ ہدایتیں دے رہی تھیں۔ ان کی رپورٹیں میز پر کھلی پڑی تھیں۔ ڈاکٹر ان میں سے کچھ خاص نکات پڑھ کر انہیں سمجھا رہی تھیں۔

سات سال کوئی لمبی مدت نہیں ہوتی کہ بندہ کسی کو بھلا دے۔ میں تو انہیں پہچان چکی تھی۔ سات سال میں میری ظاہری حیثیت واقعی اتنی بدل چکی تھی کہ جس نے دو ایک بار مجھے دیکھا ہو گا۔ اب پہچان نہیں سکے گا۔ اور ان صاحبہ نے مجھے غور سے پہلے دیکھا بھی نہ ہو گا۔ میں تو کچھ سے کچھ ہو گئی تھی۔ انہوں نے جب مجھے دیکھا تھا۔ میلے کچیلے حلیے میں غم واندوہ کے عالم میں صدمے سے بے حال' ظلم کی چکی تلے پسی ہوئی بے آسرا لڑکی تھی۔ اب میرے جسم پر قوس قزح کے رنگوں کی قیمتی ساڑھی تھی میرے کانوں اور گلے میں ڈائمنڈ کے ٹاپس اور لاکٹ تھا۔ لمبے براؤن بال بڑے سے جوڑے کی شکل میں تھے جس پر موتیا کی کلیوں کا گجرا لپٹا ہوا تھا۔ میرا حال بدل چکا تھا۔ میں ایک پراعتماد' ایڈوانس' صاحب ثروت عورت تھی۔ باوقار عورت بلکہ خاتون۔ معطر بار بار میز کی طرف لپک رہی تھی۔ وہ اسٹیتھسکوپ کی ڈوری چبانے کی شائق تھی۔ اسے رنگین پینسلوں سے بھی دلچسپی تھی۔ بی پی آپریٹس سے بھی۔

معطر بے حد حسین بچی ہے۔ اس کے سنہری' ریشمی' لچھے دار بال اور سیب جیسے سرخ گال۔ نیلی آنکھیں اور چلبلا پن راستہ چلتے لوگوں کو متوجہ کر دیتا ہے۔ ان خاتون کو بھی معطر سے دلچسپی ہو رہی تھی۔ وہ اسے چھو رہی تھیں' چھیڑ رہی تھیں اور جب انہوں نے اسے اپنی گود میں لینا چاہا۔ تو معطر برا مان کر منہ میرے کندھے میں سر دے کر بیٹھ گئی۔ وہ اجنبیوں کو پسند نہیں کرتی۔ خاتون کھسیانی ہو گئیں۔

''آپ کی بیٹی۔ ہو بہو آپ کی کاپی ہے۔'' انہوں نے کہا اور اپنے کاغذات سنبھالتی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں۔

میں نے ثروت سے پوچھا۔ ''ان کو کیا تکلیف ہے۔''

''اولاد نہیں ہے۔ دولت بہت ہے۔ اولاد ہو بھی نہیں سکتی۔ یہ خاتون پنڈی سے خاص طور پر مجھے

دکھانے آئی ہیں۔''

زن، زن، زن۔ پوری ٹرین میرے اوپر سے گزر گئی۔ کتنی بے خبر تھی میں۔ فلم کی طرح کتنے ہی سین آنکھوں تلے سے گزر رہے تھے۔ میں ثروت کو دکھائے بغیر باہر آ گئی۔ سامنے ہی رازی بچوں کو لیے کھڑے تھے۔ وہ خاتون بھی وہیں تھیں اور رضوان بھی۔ فراز رازی کی گود میں تھا۔ وہ خاتون اسے چھیڑ چھاڑ کر رہی تھیں۔ مجھے آتا دیکھ کر رازی نے فراز کو گود سے اتارا اور معطر کو میری گود سے لے لیا۔

وہ باپ کی شیدا، جھٹ لپٹ گئی۔ انہوں نے اسے گدگدایا تو وہ سر پیچھے لٹکا کر کھلکھلا کر ہنسی۔ قل قل قل جیسے نقرئی گھنٹیاں بجی ہوں۔ اس کی ہنسی بہت پیاری تھی رضوان نے مجھے بغور دیکھا۔

''چلیں؟'' میں نے نظر انداز کیا۔ شاید میں رضوان کا سامنا کرتے گھبرا رہی تھی۔

''ہاں چلتے ہیں۔'' رازی معطر کو اچھالتے ہوئے بولے۔ ''دراصل عرصے بعد رضوان بھائی سے ملاقات ہوئی ہے۔ تم ان کی بیگم سے ملیں؟''

میں جواب دیے بغیر سیاہ مرسیڈیز کی طرف بڑھ گئی۔ فرنٹ ڈور کھولتے ہوئے میری گردن کچھ بلند ہو گئی۔ میں بیٹھی تو رازی نے معطر کو میری گود میں ڈال دیا اور اعراج معراج فراز کو ہانکتے ہوئے لائے پیچھے بٹھایا۔ رضوان کی نظریں مجھ پر اور معطر پر گڑی ہوئی تھیں۔ ان لوگوں کو خدا حافظ کہہ کر گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے رازی گنگنا رہے تھے۔

میں آج بھی اپنے احساسات کو زبان نہیں دے سکتی۔

آتا ہی نہیں مجھے۔ سلیقہ ہی نہیں۔ لیکن میرے ہاتھ ٹھنڈے ہو رہے تھے جسم کپکپا رہا تھا۔ ماضی تلخ واقعات کے ساتھ مجھ پر حملہ آور ہو گیا تھا۔ میں آج تک اس سے چھٹکارا نہ پا سکی تھی۔ رازی ہی میری مدد کرتے تھے۔ آج بھی انہوں نے میرے سرد ہاتھوں کو اپنی گرم ہتھیلی میں دبا کر تسلی دی۔ مجھ پر کتنے احسانات ہیں رازی کے۔ گنوانا چاہوں تو نہیں گن سکتی۔ میں کیا تھی کیا ہو گئی۔ سوچتی ہوں تو یقین نہیں آتا۔

''کیا خیال ہے۔ رضوان بھائی آئے ہوئے ہیں۔ انہیں ڈنر پر انوائٹ نہ کیا جائے؟''

اتنے بے حس تو رازی نہیں مگر آج۔

''جی نہیں۔'' میں تلخی سے بولی۔

''یار! کیا ہو گیا ہے؟ اس قدر تو پیار کر رہے تھے تمہارے بچوں کو۔''

جب چاہیں میرے بچے۔ جب چاہیں تمہارے بچے۔ یہ ان کا خاص انداز تھا۔

میرے جیسے ''بچھو'' نے ڈنک مارا۔ ''آپ چپ نہیں ہو سکتے؟'' میں چیخی۔

''آپ مسکرا نہیں سکتیں؟'' وہ اس سے بڑھ کر چلائے۔ میں ہنس پڑی۔

بچے تالیاں بجانے لگے- ایسی کتنی ہی ترکیبیں مجھے ہنسانے کی- دل کے بوجھ کو ہلکا کرنے کی ان کے پاس تھیں-

رازی نے میرے ماموں کو بھی تلاش کر لیا تھا- مجھے ان سے ملانے لے گئے- بتایا نہیں- میں تو خوشی سے پاگل ہو گئی- میں نے اس دن رازی کو فلک کی بلندی پر دیکھا- میری گردن اس بلندی کو سہار نہ سکی جھک گئی- میرا میکہ 'اب میں بچوں سے کہہ سکتی ہوں-

''اس بار چھٹیوں میں نانا کے گھر جائیں گے-''

کتنی حسرت تھی مجھے یہ الفاظ کہنے کی- میکے جانے کی- اب میری کوئی حسرت نہیں رہی- ساری تمنائیں جو کبھی سوچی نہ تھیں' وہ بھی پوری ہو چکی ہیں- میں واقعی خوش قسمت ہوں- میرا ہر ارمان رازی نے پورا کیا- میں شرمسار ہو جاتی- میں اس قابل نہ تھی اور اس کے کچھ عرصے بعد.... رازی کہہ رہے ہیں-

''کہ میں رضوان کو معاف کر دوں-'' میں انہیں حیرانی سے دیکھ کر رہ گئی-

''میں نے کہا ہے- تم صرف دل سے رضوان بھائی کو معاف کر دو- ان کی سزا پوری ہو چکی ہے اور میں نہیں چاہتا کہ میرے ضمیر پر کوئی بوجھ رہے-''

''آپ کے ضمیر پر بوجھ-''

''ہاں- میں نے تو حتی الامکان تمہیں ہر خوشی فراہم کی- تمہیں خوش دیکھنے- ہنستا دیکھنے کی خواہش میری تھی- میں اس میں کامیاب ہوا ہوں- میری آئندہ زندگی بھی- تمہاری خوشیوں کے لیے وقف رہے گی- میں نے تمہیں اس وقت چاہا تھا- رخشی! جب مجھے علم نہ تھا کہ تم شجر ممنوعہ ہو- میں نے بہت چاہا کہ تمہیں بھلا دوں- تمہارا خیال دل سے نکال دوں- مگر ممکن نہ ہوا- میں جانتا تھا' تم میری نہیں بن سکتیں- اب تم میرے لیے قابل احترام ہو- مگر یہ پاگل دل- میں نے تم کو بھلانے کی خاطر- تم سے دوری بھی اختیار کی- دور دراز علاقے میں ٹرانسفر کرایا- امی سے مہینوں بعد ملنے آتا- لیکن یہ دل بے ایمان- تمہیں ایک نظر دیکھنے کے لیے بہانے سے رضوان بھائی کے گھر لے جاتا- میں نظر نہ اٹھاتا تاکہ کوئی غلط خیال دل میں نہ آئے- شاید یہ میری پاکیزہ محبت تھی- جو قدرت کو پسند آ گئی- یا اس نے تمہیں میرے لیے ہی دنیا میں اتارا تھا- فرشتوں کی غلط فہمی نے تمہیں رضوان بھائی کے گھر پہنچا دیا-''

''فرشتوں نے کیوں-'' میں حیران ہو گئی- رازی بہت سنجیدہ تھے- اور یہ غیر سنجیدہ جملہ مجھے عجیب لگا-

''کیونکہ اللہ تعالیٰ تو ہر کام فرشتوں سے لیتا ہے اور فرشتے بھی غلطی کر سکتے ہیں- تو انہیں فوراً ہی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا-'' رازی پھر غیر سنجیدہ ہو گئے- میں الجھ گئی-

"پریشان نہ ہو۔ سنو نکاح والے دن تک میں اس راز سے واقف نہ تھا۔ کہ قدرت کے کسی پیچیدہ نظام کے تحت۔ تم بطور امانت میرے لیے دوسرے گھر میں رکھوائی گئی ہو۔ تاکہ جب میں تمہارے لائق ہو جاؤں تب تک تم محفوظ رہو۔ میرے لیے۔ رخشی کیا تم نے کبھی غور نہیں کیا۔ یہ تمہارا ہوش اڑا دینے والا حسن جمال۔ قاتل ادائیں۔ تمہارے گھنے بالوں کی گھٹائیں۔ تم جو عمر خیام کی رباعی کی تفسیر ہو۔ جو ہر مرد کی اولین تمنا ہوتی ہے۔ پھر رضوان بھائی تم سے متاثر کیوں نہیں ہوئے۔ انہیں وہ سب کیوں نظر نہیں آیا۔ جو میں نے دیکھا اور دل ہار گیا۔ ان کے راستے میں کوئی رکاوٹ نہ تھی۔ ظالم سماج نہ تھا۔ پھر کس لیے؟ میری جان جاناں۔ عقل سے کام لو اس لیے کہ تم میرے لیے تھیں۔ تمہیں میرے لیے دنیا میں اتارا گیا تھا اور میری پہلی نظر کی محبت اس کا ثبوت ہے۔ گوشی کی شادی میں میں نے تمہیں دیکھا اور اسے بتا بھی دیا کہ تم میری ہو۔ پھر اس راز کے افشا ہونے پر میں تمہیں بھلانے کی ہر ممکن کوشش کرتا رہا مگر۔ تم میرا نصیب تھیں۔ تو غور کرو اور.... میں نے اپنی محبت کا پورا پورا اخراج ادا کیا ہے۔ اپنی پوری زندگی دے کر۔ اپنی وفا تابعداری۔ دل داری سے اسے عشق کے درجے پر پہنچا دیا۔"

وہ بے حد سنجیدہ تھے۔ میں ساکت بیٹھی تھی زبان تائید نہ کرے۔ دل تو اقرار کر رہا تھا۔

"رخشی! تم تو میرے دل میں دھڑکتی ہو۔ میری روح میں رچی بسی ہو۔ تمہیں کبھی بھی کوئی شکایت مجھ سے ہوئی۔"

"نہیں۔" میں گردن ہلا کر زبان سے بھی انکار کر رہی تھی۔

"تو میری آواز سنو۔ میرے دل کی آواز۔ فرشتوں کی غلطی کو سزا نہ بناؤ۔ وہ اپنی اس غلطی کی تلافی کر چکے ہیں۔ تمہیں جوں کا توں پوری پاکیزگی کے ساتھ مجھ تک پہنچانے کا عمل۔ یہ معجزہ نہیں؟ اور اس کے لیے میں تم سے پہلی بار ایک سوال کر رہا ہوں۔ تم نے رضوان بھائی کے لیے بددعا کی؟ کبھی بھی۔"

"ہاں کی تھی۔" میں بول اٹھی۔ کیونکہ اب چپ رہنا ممکن نہ رہا تھا۔ "طوفان میں اکیلا چھوڑ کر جانے والے کے لیے دعاؤں کے ہار نہیں پروئے جاتے۔"

میں تلخ ہو گئی اور مجھے وہ وقت یاد آ گیا۔ وہ جو میں بھول چکی تھی۔ رات اور شام گلے مل رہی تھی۔ میرے پیروں میں سکت نہ تھی اور بوا مجھے گھسیٹتی ہوئی سڑک پر لائی تھیں۔ آہیں اور چیخیں میرے گلے سے نکل کر فضا میں پھیل رہی تھیں اور میرے دل کی صدا آواز بن گئی تھی۔ مجھے یاد آ گیا۔ میں رو رو کر چیخ چیخ کر کہہ رہی تھی۔

"رضوان! خدا تمہارا بیڑہ غرق کرے، تم سدا نامراد رہو، جیسا تم نے مجھے اکیلا ہے، اللہ تمہیں بھی اکیلا کرے۔ جس طرح تم نے مجھے اجاڑا ہے۔ اللہ تمہیں بھی اجاڑے گا۔"

سا دو تمہیں بددعا کرتے ہوئے خدا کا خوف نہ تھا؟ بددعا بھی گناہ کے دائرے میں آتی ہے۔ تم نے گناہ کیا ہے۔ خدارا اب اس کا کفارہ ادا کرو اس سے پہلے کہ قدرت..... رخشی تمہاری بددعا آج تک رضوان بھائی کا پیچھا کر رہی ہے۔ انہیں اس سے نجات دلا دو۔ آزاد کر دو۔ مکافات عمل کا سلسلہ شروع ہو چکا ہے۔ رضوان بھائی، بھابھی کی اجازت سے دوسری شادی کر رہے ہیں اولاد کے لیے۔ لڑکی والوں کا مطالبہ ہے کہ وہ پہلی بیوی کو طلاق دیں۔ بھابھی بہت پریشان ہیں۔ جو کچھ تمہارے ساتھ ہوا۔ وہی ہو رہا ہے۔ اب ان کو معاف کر دو۔ اس دن تمہاری آزادی کا دن تھا۔ تمہارے ساتھ ظلم نہیں ہوا۔ قدرت نے یہ موقع فراہم کیا تھا۔ اس کے اشارے کے بغیر تو کچھ بھی ممکن نہیں ہوتا ناں۔ اس دن رضوان بھائی سے تمہیں واگزار کروایا تھا قدرت نے۔ رضوان بھائی نے احسان کیا تھا تم پر۔ میری امانت واپس کی تھی، جوں کی توں۔ انہیں خیانت کا خیال تک نہ آیا تھا۔ اس لیے کہ تم فرشتوں کی غلطی سے ان تک پہنچی تھیں۔ قدرت نے تمہاری محرومیوں دکھوں اور صبر کے عوض وہ کام انعام کے طور پر کروایا۔ تمہیں میرے پاس اسی طور آنا تھا۔ کیونکہ تم میری تھیں۔ ابا نے تمہیں حق دیا تھا کہ تم اس دروازے میں داخل ہو جاؤ جو دراصل تمہارے لیے سجایا سنوارا گیا تھا۔ وہ دروازہ میری زندگی کا تھا رخشی۔ اس لیے گناہ کا کفارہ ادا کرو تم رب کے حضور سجدے میں گر کر رضوان بھائی کی بددعا کو واپس لینے کی دعا کرو۔ بس یہی میری پہلی خواہش ہے۔ انہیں دل سے معاف کر دو۔ اس لیے کہ وہ بے قصور تھے۔ انہیں تو میرا امانت دار بننا تھا۔"

رازی چپ ہو گئے اور مجھے اب ایک بھولی ہوئی بات یاد آ گئی۔ اماں صغریٰ کی التجا۔

"میرے رضوان کو بددعا نہ دینا۔ کبھی بددعا نہ دینا۔"

اف اماں۔ آپ کی محبت، سلوک اور مہربانیوں کے صدقے میں، میں اپنی غلطی کا کفارہ دوں گی۔ ضرور دوں گی۔ میں نے معاف کیا۔ رضوان کو معاف کیا۔ اماں! میں کم ظرف تھی۔ آپ کی التجا کو بھلا دیا۔ اف بھول گئی۔

آپ تو میری نجات دہندہ ہیں۔ آپ نے میری منزل فراہم کی تھی مجھے۔ آپ نے اس گھر تک مجھے پہنچایا تھا۔ اور میں بھول گئی۔ مجھے کفارہ دینا ہے کہیں اس غلطی کی سزا مجھے کسی دکھ سے روشناس نہ کر دے۔

میں جلدی جلدی وضو کر رہی ہوں۔ کہیں وقت گزر نہ جائے قبولیت کا وقت۔ مجھے توبہ کرنی ہے۔ وقت گزرنے سے پہلے۔ رضوان کی بددعا کا اثر ختم کرنے کی دعا۔ التجا کرنی ہے رب سے جس نے مجھے رازی سے نوازا ہے۔

☆☆ ☆☆